رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸
رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جسکو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

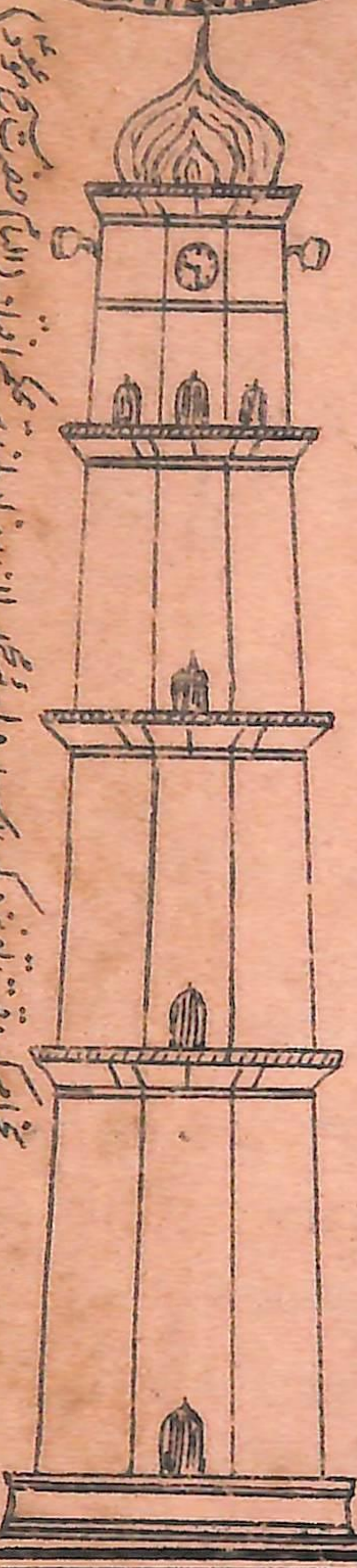

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیان برمنار بلند تر محکم افتاد (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

اخبار الحکم قادیان

ہفتہ وار

دورِ جدید

جو تیری بابو کہ آئی چھپا در قادیاں یعنی
دوا یعنی شفا یعنی غرض دار الاماں یعنی
بیا در زمرۂ مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر اعلیٰ
شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

مدیر مسئول
شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

چندہ سالانہ
حکومت اور والیان ریاست سے عما ر
امراء و رؤساء سے صہ ر
معاونین سے عہ ر
عوام سے ہ ر
ممالک غیر سے ۱۲ہ ر

مدینۃ المسیح
قادیان دار الامان سے ہر ماہ عیسوی کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸ تاریخ کو خدا کے فضل سے شائع ہوتا ہے۔

قیمت فی پرچہ
۲ ر

جلد ۴۱ | مورخہ ۷ و ۱۴ ؍ جون سنہ ۱۹۳۸ء | نمبر ۱۸ و ۱۹

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی سابق ہریش چندر مہتہ موہیال کے اسلام قبول کرنیکے ایمان افروز حالات

(کی قسط دوئم)

اور حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ صحبت کے اثرات اور اسلام کی قوت اور نور کے تذکرہ کے علاوہ ہندو جاتی سے ایک دردمندانہ اپیل

یہ پرچہ بھی ڈبل کر دیا گیا ہے

خیال تھا۔ کہ مضمون اخبار کے آٹھ صفحوں میں ختم ہو جائیگا۔ مگر مضمون بڑھ کر پانچ کالموں تک پہنچ گیا۔ اور اس طرح مجبوراً اس اخبار کو بھی دو نمبروں کا مجموعہ بنانا پڑا۔ امید ہے کہ احباب اس قیمتی مجموعہ کو حاصل کر کے ایمانی لذت محسوس کریں گے۔ اور پرچہ کے ڈبل کر دینے پر ناراض نہیں۔ بلکہ خوش ہونگے۔

اعتذار

افسوس ہے۔ کہ مسجد مبارک کا نقشہ وقت پر مکمل نہ ہو سکنے کی وجہ سے اب بھی شائع ہونے سے رہ گیا ہے۔ جو آئندہ کسی اشاعت میں انشاء اللہ شائع کر دیا جائیگا۔

رواداری کی اچھی مثال

بابو عبدالقادر صاحب پوسٹل کلرک قادیان جو باوجو غیر احمدی ہونے کے احمدیوں میں بھی وسیع حلقۂ احباب رکھتے ہیں نے یکم جون بروز بدھ بعد نماز مغرب ایکسو کے قریب احمدی احباب کو اپنے بیٹے عزیز منیر احمد کی دعوت ولیمہ پر مدعو کیا۔ اور جن گھرانوں سے اُن کے تعلقات خاص تھے۔ اُن کو بال بچوں سمیت مدعو کیا۔

اُن کی اس رواداری کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے مدعوین نے دیکھا۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ اس تعلق کو مبارک کرے۔ آمین میں صدق دل سے بابو عبدالقادر صاحب کو اس تقریب سعید پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر اخبار "الحکم" تراب منزل قادیان سے شائع ہوا۔

مکتوبات احمدیہ

(بقیہ صفحہ ۱۹)

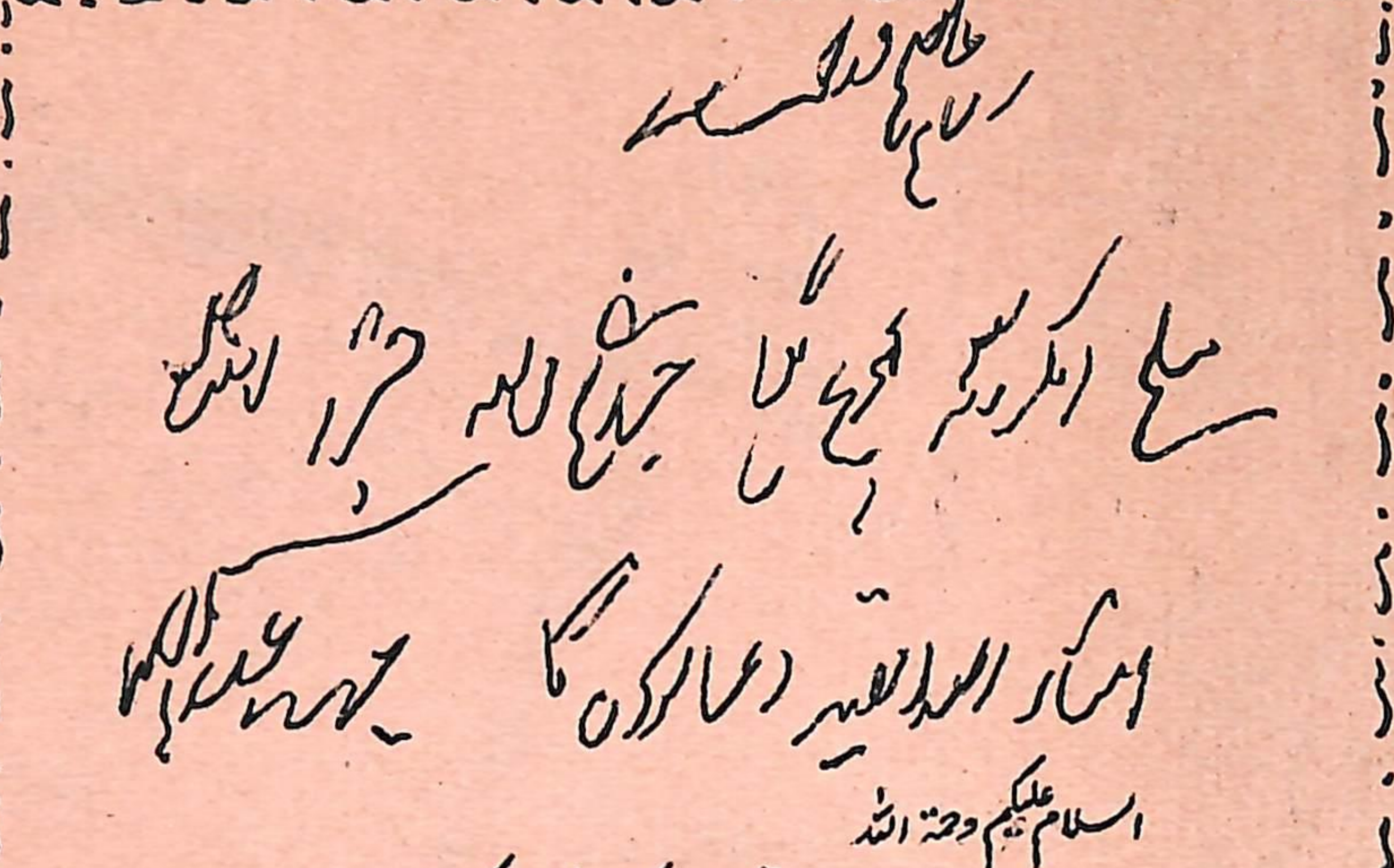

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مبلغ ایک روپیہ پہونچ گیا۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً

انشاء اللہ العزیز دعا کروں گا۔ مرزا غلام احمد

(۶)

یہ اور اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں جن سے حضورؑ کے اعلیٰ اخلاق کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ کہ ہمارے آقاء نامدار **کیسے قدر دان اور شکور تھے**۔ کہ حقیر سی رقوم اور ادنیٰ ادنیٰ ہدایا کو خوشی سے قبول فرماتے۔ اور اس طرح غرباء اور کم استطاعت غلاموں کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

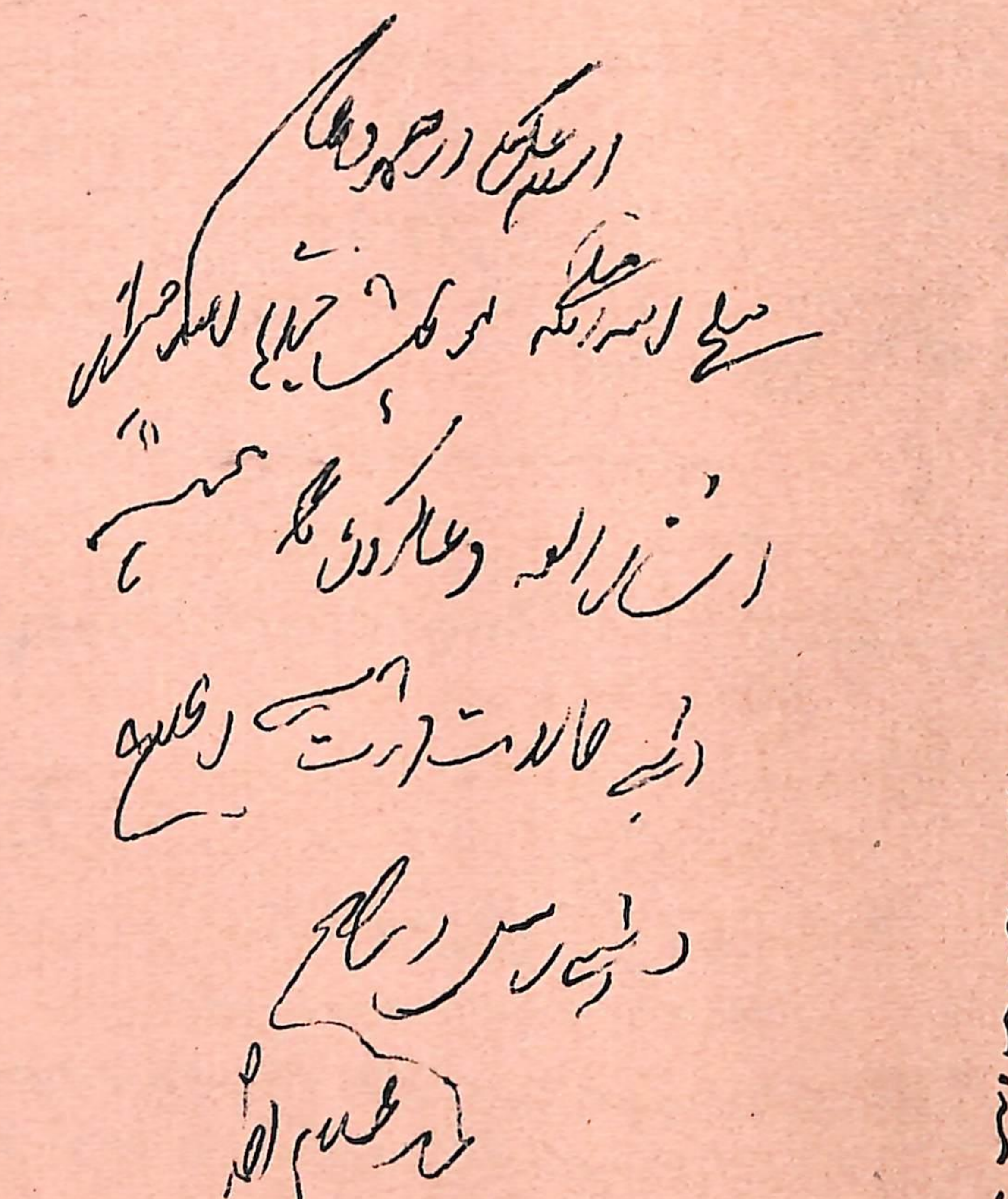

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مبلغ آٹھ روپیہ پہنچ گئے۔ جزاکم اللہ خیراً

انشاء اللہ دعا کروں گا۔ ہمیشہ اپنے حالات خیریت سے اطلاع دیتے رہیں۔ والسلام

مرزا غلام احمد

(۷)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دستی تحریر جو مکرمی حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم کی درخواست دعا کے جواب میں حضور علیہ السلام نے ارقام فرمائی مجھے قاضی صاحب مرحوم ومغفور کے داماد سید محمد علی شاہ صاحب سے ملی جوانہوں نے اپنے نسبتی بھائی قاضی سید نذیر حسین شاہ صاحب سے بصد حرص حاصل کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔

"عبدالرحمٰن قادیانی"

حضور اقدس سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرا لڑکا سخت بیمار ہے۔ ہیچش اور خون اس کو جاری ہے۔ کوئی دوائی اس کو فائدہ نہیں کرتی۔ اب اس کی والدہ دوائی سے نفرت کرتی ہیں اور اس کو بہت اضطراب ہو رہا ہے۔ حضور نوازش فرما کر اگر توجہ سے دعا کریں۔ تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ شفا بخشے گا

"امیر حسین"

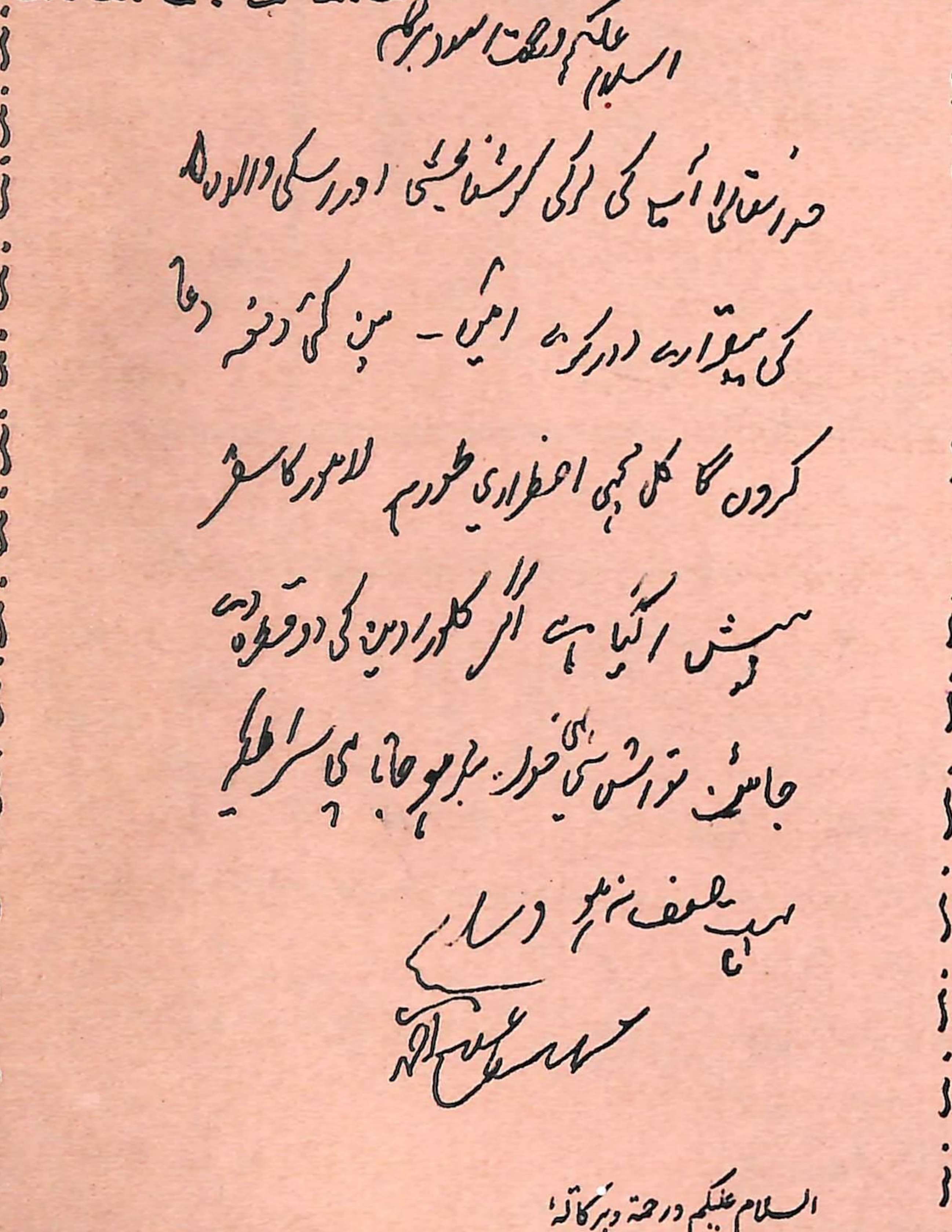

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

خدا تعالےٰ آپ کی لڑکی کو شفا بخشے۔ اور اس کی والدہ کی بے قراری دُور کرے۔ آمین۔ میں کئی دفعہ دعا کرونگا۔ کل مجھے اضطراری طور پر لاہور کا سفر پیش آگیا ہے۔ اگر کلوراڈین کے دو قطرے دیئے جائیں۔ تو اس سے بھی خون بند ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ بہت ضعف نہ ہو۔ والسلام

مرزا غلام احمد

۸

حضور پُرنور کی یہ تحریر اس رحمت وشفقت اور ذرہ نوازی کا ایک نمونہ اور اس عطا وسخا کی ایک جھلک اپنے اندر رکھتی ہے جو حضور علیہ السلام مجھ جیسے ادنےٰ ترین اور ناکارہ وکس مپرس غلام کے حال پر فرماتے تھے۔

۱۴ار مئی ۱۹۰۸ء کو گھر کی بعض اطلاعت کی بنا پر میں نے ایک عریضہ حضرت آقائے نامدار کے حضور پیش کیا۔ جس کا جواب یہ ہے۔ (بقیہ صفحہ ۲۰ پر دیکھیں)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے صحابہؓ

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی

کے

اسلام لانیکے نہایت پاکیزہ اور پُردرد حالات

(حصہ دوم)

قادیان میں دوبارہ آمد

اس طرح پھر ایک مرتبہ مجھے میرے ربّ کریم نے میرے آقائے نامدار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے انفاس قدسیہ اور توجہات کریمانہ کی طفیل نہنگِ کفر وضلالت کے آہنی پنجہ سے نجات دے کر حضورؑ کے قدومِ میمنت لزوم میں پہنچا کر نوازا۔ اور مجھے یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں حضورؑ پُرنور ہی کا ہو گیا۔ کیونکہ حضورؑ نے فرمایا تھا۔

"ہمارا ہے۔ تو آجائیگا۔"

سو الحمد للہ۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ مجھے میرے مولا نے حضورؑ کی خدمت میں پہنچا کر حضورؑ کا بنا دیا۔ اس فضل اور اس احسان و ذرہ نوازی پر میں جس قدر بھی شکر بجا لاؤں۔ جتنے بھی سجدات کروں۔ جتنے بھی اُس کی حمد و ثنا کے گیت گاؤں ہیں شکر و نعمت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ حتّٰی کہ میرے جسم کا ہر ذرہ قرناً بعد قرنٍ بھی اگر اسی خدمت کی بجا آوری پر لگا رہے۔ تو ناممکن ہے۔ کہ اس کے فضل بے پایاں کے بحرِ ناپیدا کنار میں سے ایک قطرہ بھر کا بھی شکر ادا کر سکوں۔

میں قادیان پہنچا۔ کمہاروں کے محلہ کے غربی جانب سڑک پر ہی یکہ سے کود پڑا۔ اور جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے مہمان خانہ سے متصل موڑ پر پہنچا تھا۔ کہ میرے بعض پُرانے دوستوں اور بزرگوں نے مجھے دیکھ لیا۔ وفورِ محبت میں گلے لگایا۔ اور لمبی جدائی کے صدموں اور مفارقت کے داغوں کو طرفین نے اپنی آنکھوں کے پانی سے دھویا۔ مرحبا اور جزاک اللہ کی دعائیں، شاباش اور مبارکباد کی صدائیں کچھ اس طرح فضا میں گونجنے لگیں کہ آن کی آن میں سارا ڈیرہ میرے گرد جمع ہو گیا۔ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر یوں اظہارِ محبت و اخوت کرنے اور خوشی و ہمدردی جتانے لگے۔ کہ حقیقی بھائی بہنوں میں بھی شاذ ہی ایسا نظارہ دیکھنے میں آتا ہو۔ ایک ایک کر کے میں ہر ایک سے ملا۔ اور ہر کسی نے مجھے محبت و عزت سے دیکھا اور گلے لگایا۔ حضرت مولانا مولوی نورالدین اعظم رضؓ اپنے مطب میں تشریف فرما تھے۔ میرے آجانے کی اطلاع کسی دوست نے میرے پہنچنے سے قبل اُن تک پہنچا دی تھی۔ میرے سلام کے جواب میں سَرو قد کھڑے ہو گئے۔ اور نہایت شفقت سے گلے لگا کر دعائیں دیں۔ اور محبت سے اپنے پاس بٹھا لیا۔ کسی گہرے خیال اور پُرانی بات کے تصور میں حضور سمیت ساری مجلس پر ایک سکتہ کا عالم تھا۔ اور ابھی کوئی بات شروع نہ ہونے پائی تھی۔ کہ مسجد مبارک کی بلندی سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی پُرجلال ندا نے اس خموشی اور سکوت کو توڑا۔ اور مجلس نماز کی تیاری کے لئے برخاست ہو گئی۔

میں جلد جلد وضو کر کے مسجد مبارک میں پہنچا۔ ظہر کی نماز سفر کی وجہ سے ابھی باقی تھی۔ وہ ادا کی اور اس نماز سے فارغ ہی ہوا تھا۔ کہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریمؓ صاحب تشریف لے آئے میں نے سلام کیا بہت محبت سے ملے اور مجھے دیکھ کر اپنی عادت کے مطابق بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور کچھ ایسے رنگ میں میرے واپس آجانے کے عمل کی تعریف فرمائی۔ کہ اس کا ذکر کرنے سے بھی شرماتا ہوں۔ میرے حالات پوچھ ہی رہے تھے۔ کہ خدا کے برگزیدہ مسیح موعودؑ جری اللہ فی حلل الانبیاء بیت الفکر سے مسجد مبارک میں تشریف فرما ہوئے۔ میں جوشِ نیازمندی اور محبت و عقیدت میں آگے بڑھا۔ مصافحہ کیا۔ ہاتھوں کو چوما۔ اور قدموں میں گر کر داغِ مفارقت کو دھویا۔ حضورؑ نے دستِ شفقت سے نوازا۔ اور تلطف سے اٹھایا۔ اور فرمایا۔ (مفہوم میرے اپنے الفاظ میں)

"آپ آگئے بہت اچھا ہوا۔ آپ کے والد صاحب نے وعدہ کا پاس نہ کیا۔ اور آپ کو روک کر تکلیف میں ڈالا ہمیں بہت فکر تھی۔ مگر شکر ہے۔ کہ آپ کو اللہ نے ثابت قدم رکھا۔ اور کامیاب فرمایا۔ مومن قول کا پکّا اور وفادار ہوتا ہے۔"

جماعت کھڑی ہو گئی۔ اور حضورؑ نماز کے بعد اندر تشریف لے گئے۔ پھر اُسی روز یا دوسرے دن وہ کاغذ معاہدہ جو حضورؑ نے میرے والد صاحب سے لکھوا کر مجھے اُن کیساتھ چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اور حضورؑ نے اُسے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ نکال کر مجھے بھجوا دیا جس کی غرض ظاہر ہے۔ کہ میری تربیت فرمانا اور میرے ایمان کو زیادہ مضبوط بنانا تھی۔

میں پھر خوشی خوشی خدا کے مقدس نبی کی پیاری بستی میں رہنے لگا۔ اوّل اوّل کئی دن بلکہ اکثر حصہ ملاقاتوں کا تو اسی داستانِ غم کے دُہرانے اور پوچھنے والوں کو سنانے میں گذرے۔ آخر چند روز بعد حالات معمول پر آگئے اور گو میرا دل قادیان پہنچ جانے اور دوستوں اور بزرگوں کے حسن سلوک محبت بھرے تعلقات کے باعث مطمئن تھا۔ مگر والد صاحب کے تعاقب کی فکر ضرور دامنگیر تھی۔ والد صاحب کی طبیعت اور اپنے خاندانی حالات کے مدنظر مجھے یہ خدشہ لاحق رہتا تھا۔ کہ وہ لوگ اپنے شکار کو یوں اپنے قبضہ سے بچ نکلنے پر پہلے سے بھی زیادہ تیز اور غضبناک ہو کر میرا پیچھا کریں گے۔ اور میرے حصول کی انتہائی کوشش کریں گے۔ لہٰذا میں اب کی مرتبہ زیادہ ہوشیاری سے رہنے لگا۔ اور اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاط کو مدنظر رکھتا تھا۔ میرے دوست بھائی اور بزرگ بھی میرا خیال رکھنے اور محتاط رہنے لگے۔

اُدھر چند روز کے انتظار کے بعد جب میری واپسی میں تاخیر ہو گئی۔ تو گھر میں گھبراہٹ شروع ہو گئی۔ اور والدین کو پُرانے خدشے تازے ہو کر بے قرار کرنے لگے انہوں نے بذریعہ خطوط ظفروال سے میرے متعلق دریافت کیا۔ مگر جب وہاں سے جواب نفی میں ملا۔ تو وہ بھانپ گئے کہ اُن کا لال پھر اُن کے ہاتھ سے نکل کر قادیان ہی کی سلک میں پرو دیا گیا۔ اِدھر قادیان کے بعض وہ لوگ جنکو اسلام اور مسلمانوں سے خدا واسطہ کی عداوت تھی۔ اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہا کرتے تھے۔ کہ کوئی موقعہ ہاتھ لگے تو ایسا وار کریں۔ جو خالی نہ جائے۔ اور ایسی کاری ضرب لگائیں جس سے یہ سلسلہ نابود اور پاش پاش ہو جائے۔ اور ایسے ہی لوگوں نے پہلی مرتبہ میرے والد صاحب کی امداد و حوصلہ افزائی کی تھی۔ اور گویا انہی کا یہ کارنامہ تھا کہ وہ مجھے قادیان سے واپس بھجوانے میں کامیاب ہو گئے۔ اب یوں مجھے واپس آئے دیکھ کر اُن پر کیسے گذرتی ہوگی اور اُن کے سینوں پر کیونکر سانپ لوٹتے ہونگے جس کے نتیجہ میں وہ خاموش نہ رہ سکے۔ اور فوراً والد صاحب کو میرے پھر قادیان آجانے کی اطلاع کے ساتھ بہت کچھ سخت سُست لکھا۔ اور بے حد غیرت دلائی جس پر والد صاحب نے اب اس معاملہ کو برادری میں پیش کر کے قوم سے مدد مانگی اور پہلے جن امور کو وہ غیرت و حمیت کے خیال سے ظاہر کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے اب علی الاعلان کھول کر سنا دینے پر مجبور ہو گئے جس سے برادری کے بعض اکابر نے اُن کو امداد دینے کا وعدہ کیا۔ اور والد صاحب کو پھر قادیان پہنچ کر قادیان کے اُن خاص لوگوں کو اپنی امداد کے لیئے تیار کرنے اور اُن سے مشورہ کرنے کو بھیجا۔ چنانچہ والد صاحب کا یہ سفر نہایت خفیہ اور صیغۂ راز میں ہوا۔ اور وہ اپنے خیال میں اس مرتبہ پہلے سے بھی

زیادہ مطمئن، خوش اور اپنی کامیابی کے یقین کے ساتھ لوٹے۔ قادیان کے اُن بامذاق لوگوں نے نہ صرف امکان بھر اُن کو مدد دینے کے وعدے کیئے۔ بلکہ اُن کو ایسے مشورے دیئے ایسے طریق بتائے کہ جن کی بنا پر والد صاحب اپنی واپسی کو کامیاب واپسی یقین کرتے ہوئے خوش وخرم چلے گئے۔ اور اس طرح میرے واسطے تعزیز کے جو خیالات انہوں نے ابھی سے سوچنے شروع فرما دیئے اُن کا ذکر گھر میں کبھی والدہ سے بے ساختہ ہوگیا۔ تو والدہ محترمہ مارے مامتا کے اس خیال ہی سے تڑپ اٹھیں۔ اور والد صاحب محترم کو ایسے خیالات اور ارادوں سے مقدور بھر روکنے کی کوشش فرمائیں۔ مگر والد صاحب اپنے ننگ وناموس کے خیال اور غیرت وحمیت کے جذبہ کے ماتحت اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے پر اصرار فرماتے رہے۔

ایک روز کرنا خدا کا ایسا ہوا۔ کہ شیخ عبدالعزیز صاحب (نومسلم) اپنا قرآن شریف بغل میں دبائے میرے پاس آئے جہاں میں تلاوت کر رہا تھا۔ اور مجھ سے اصرار کیا۔ اور کہا۔ کہ چلو آج بڑی مسجد میں چل کر قرآن شریف پڑھیں۔ میں چونکہ اُن کے ساتھ ہی رہتا سہتا تھا۔ اُن کے تقاضا کو ردّ نہ کر سکا۔ اور اُن کے ساتھ مسجد اقصیٰ کو اپنا قرآن شریف لے کر چلا گیا۔ اور صحن سے گذر کر درمیانی در اور محراب کے درمیان بیٹھ کر سر سے پگڑی اتاری اور اس پر قرآن شریف رکھ کر اپنی منزل کی جگہ کو تلاش ہی کر رہا تھا۔ کہ اچانک میری نظر باہر صحن کی طرف اٹھی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ

میرے ایک چچا جن کا نام نامی سردار بساکھ سنگھ یا بوجہ اس کے کہ ان کے کیس نہ تھے۔ بساکھی رام سامنے کھڑے جلدی جلدی جوتا اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جن کو دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا۔ اور میں بھانپ گیا۔ کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ میں نے فوراً قرآن شریف کو بند کیا پگڑی سر پر رکھی۔ اور جوتا جو میرے پاس ہی رکھا تھا اٹھا کر چچا صاحب کی طرف بڑھا۔ اتنے میں وہ بھی جوتا کھول کر صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ وسط صحن تک بڑھ کر میں نے سلام کیا۔ انہوں نے چھاتی سے لگا کر پیار کیا۔ اور جب انہوں نے مجھے چھاتی سے جدا کیا۔ میں جلد جلد مسجد کے صحن سے باہر ہوگیا۔ انہوں نے بھی جلدی تو بہت کی۔ مگر جوتا پہننے میں لمحہ بھر دیر ہوئی۔ میں مسجد اقصیٰ کے دروازہ کی طرف لپکا۔ جہاں کیا دیکھتا ہوں کہ شیروں کی مانند تین سفید پوش دراز قد مسلمان جوانمرد کوچہ میں کھڑے ہیں۔ اُن کو میں نے پہچانا۔ اور سیڑھیوں سے اُتر کر اُن میں سے ایک کے ساتھ مصافحہ کیا۔

مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے محسوس کیا۔ کہ جس شخص کو میں نے مسلمان سمجھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ دیا تھا۔ اس کی طرف سے مصافحہ کے جواب میں ایک سخت گرفت نمودار ہوئی۔ جس کے ساتھ ہی مجھ پر اس سازش کا انکشاف ہوگیا۔ کیونکہ پاس ہی چوک میں ایک یکّہ کھڑا دیکھ لیا۔ اس پر میں نے اس زور سے جھٹکا مارا۔ کہ اِس بھاری بھرکم جوان شُورما کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میرا ہاتھ چھٹ گیا۔ اور میں وہاں سے بے تحاشہ اپنے ڈیرے کی طرف دوڑنے لگا۔

شانِ ایزدی کہ میرے چچا صاحب میرے پیچھے تھے۔ اور تین نوجوانوں نے میرا راستہ یوں روک رکھا تھا۔ کہ ایک چوک کی طرف، دوسرا ہمارے ڈیرہ کو آنے والی گلی میں اور تیسرا بالکل میرے سامنے تھا۔ گویا میں چاروں طرف سے ایسا گھِرا ہوا تھا۔ کہ بچ نکلنا ناممکن تھا۔ مگر قربان جاؤں خدائے بلند وبرتر پر کہ اس نے ایسے نازک مرحلہ پر غیب سے میری مدد فرمائی۔ اور دشمن کے نرغہ سے خارق عادت رنگ میں مجھے رہائی بخشی۔ ورنہ اُن کے ارادے ظاہر تھے۔ یکّہ تیار کھڑا تھا۔ پکڑ کر اور اٹھا کر یکّہ میں باندھ دینے کے لئے کافی سے زیادہ انتظام تھا۔ بازار پر دشمن کا قبضہ تھا۔ اور حالات واسباب کے لحاظ سے حقیقتہً دشمن بالکل مکمل ساز وسامان سے آراستہ اور میں کمزور بالکل یکہ وتنہا بے یار ومددگار تھا۔ حتیٰ کہ میری فریاد تک کو میرے ہمدردوں تک پہنچانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مگر اس موقعہ پر جو کچھ ظاہر ہوا۔ وہ نہایت درجہ محیر العقول تھا۔ نہ جانیئے مجھ میں اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ دشمن کا مکر اور گرفت میرے مقابلہ میں کمزور وہیچ ہوگئی۔ اور وہ سبھی ایسے مرعوب اور سست ہوگئے کہ میں علیٰ رغم الف ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور وہ کچھ نہ کر سکے۔

میں دوڑا اور خوب دوڑا۔ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے۔ اور خوب بھاگے۔ میرے کان آشنا ہیں۔ کہ جب میں ڈپٹی شنکر داس صاحب کی بیٹھک کے برابر سے بھاگ کر نکلا۔ اور میرے پیچھے تین چار بھاگنے والوں کی دبڑ دبڑ کی آواز نے گلی میں ایک شور بپا کر دیا۔ تو اس گھر کے مکینوں (موجودہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ والے مکان کے اُس وقت کے مالک وساکنین کا ذکر ہے) نے کھڑکیوں سے سر نکالے اور اس بھاگڑ کو دیکھ کر خوب ہی ہنسی کی۔ اور مذاق اڑایا۔ میری اللہ تعالےٰ نے مدد فرمائی۔ اور میں اُن کے ہاتھ نہ آیا۔ اور جب مسجد مبارک کی کوچہ بندی کے قریب پہنچا۔ تو چچا صاحب بزرگوار نے میرا نام لے کر پکارا اور فرمایا۔ کہ "بات تو سُن لو۔"

میں نے دوڑتے ہی دوڑتے جواب میں عرض کیا۔ کہ

"چچا ابا چند قدم اور آگے آجائیں۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے۔ میں سننے کو حاضر ہوں"۔

کیونکہ اس جگہ سے آگے ہماری اپنی آبادی تھی۔ مگر چچا صاحب محترم نے اس وقت آگے بڑھنا پسند نہ فرمایا۔ اور وہیں سے بے نیل مرام بصد حسرت واپس لوٹ گئے۔

شیخ عبدالعزیز صاحب (نومسلم) میرے یوں اچانک مسجد اقصیٰ سے نکل آنے کی وجہ سے پریشان تھے۔ اور گو میں نے چچا صاحب محترم کو پہلی نظر دیکھتے ہی اُن کو یہ کہتے ہوئے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ کہ "بھائی جی جلدی چلو۔ یہاں کچھ خطرہ ہے"۔ مگر شیخ صاحب بات نہ سمجھ سکے اور مسجد کے باہر کے واقعات کو سن کر اور بھی حیران ہوئے۔ اور چند منٹ بعد میرے پاس آکر سارا ماجرا سنا۔ اور بہت ہی تعجب کیا۔ اور معذرت کی۔ مگر میں اُن سے واقف تھا۔ اور جانتا تھا۔ کہ اس معاملہ میں اُن کو ہرگز کسی قسم کا دخل نہ تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد غالباً میرے چچا صاحب محترم میرے چھوٹے بھائی عزیز بابو امرناتھ کو لے کر آئے۔ عزیز کو وہ محض اس خیال سے ہمراہ لائے ہوئے تھے۔ کہ اگر اور کوئی حربہ کارگر نہ ہوا۔ تو اس ذریعہ سے مطلب برآری کی کوشش کر سکیں۔ کیونکہ مجھے عزیز سے بہت محبت تھی۔ اور عزیز بھی چونکہ میری گودیوں کا پلا تھا۔ اس کو مجھ سے بے حد انس تھا۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ کہ جب اُن کی پہلی تدبیر بیکار ثابت ہوئی۔ تو عزیز کو (جسے انہوں نے ابھی میرے سامنے نہ کیا تھا) لے آئے۔ عزیز میرے پاس آتے ہی زار وقطار رونے لگا۔ اور اس کی بلبلاہٹ اور چیخ وپکار سے فطرتاً میرا دل بھی بھر آیا۔ مگر میں نے دل کو مضبوط کیا۔ اپنے حواس کو سنبھالا۔ اور دشمن کی اس چال کے شر سے بچنے کے لئے خدا سے مدد مانگی۔ اور اللہ کا فضل تھا۔ کہ خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بروز کامل سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حق نما صحبتوں کے طفیل میں نے اپنے دل کو ہر قربانی کے لئے تیار وکمربستہ پایا۔ مگر باوجود اس کے میرے رفیقوں کو یہ اندیشہ ہوا۔ کہ بھائی عبدالرحمٰن رشتہ داروں کی اس چال سے متأثر ہو کر اُن کی طرف جھک جائے۔ انہوں نے میرے ارد گرد بار بار چکر لگانے اور الٰہی آیات ایسے اشعار اور ایسے ایسے اقوال بلند آواز سے پڑھنے شروع رکھے۔ جن میں ایسے فتنہ کے مقابلہ کا ذکر اور اُس سے بچنے کی تاکید وتدبیر کا ذکر تھا۔

تھوڑی دیر میں عزیز کی طبیعت بھی سنبھل گئی۔ اور میں نے اس کے بہلانے کے لئے کئی قسم کے سامان مہیا کر لیئے اور ہوتے ہوتے آخر عزیز خوش وخرم ہو کر مجھ سے بے تکلف ہوگیا۔ جسے دیکھ کر چچا صاحب کے دل میں کوئی اور خیال آنے لگا۔ جس کے مدّنظر انہوں نے عزیز کو لے جانے کی خواہش کی۔ اور باوجود میرے اصرار کے انہوں نے عزیز کو میرے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اور اُسے آخر لے کر چلے گئے۔

عصر کی نماز کے بعد چچا صاحب پھر تشریف لائے مگر تنہا۔ عزیز کو ساتھ نہ لائے۔ شائد یہ خیال ہوگا کہ میں اُن سے عزیز کے لئے درخواست کروں گا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے میرے دل کو ایک اطمینان اور سکینت بخش دی تھی۔ جس کی وجہ سے میں نے اُن پر اُس محبت کے غلبہ کا اظہار بھی پسند نہ کیا۔ چچا صاحب اس مرتبہ اصل میں میرے پاس تو محض اِسی خیال سے آئے تھے۔ کہ عبدالرحمٰن عزیز سے ملنے کی خواہش کریگا۔ تو ہم اس کو یہ کہیں گے۔ کہ ہمارے ڈیرے پر چل کے مل لو۔ مگر میری بے رُخی دیکھ کر وہ مایوس ہوگئے۔ اور جناب مرزا نظام الدین صاحب کے دیوان خانہ میں چلے گئے۔ جہاں مرزا صاحب سے مل کر بہت کچھ کہا سنا۔ اور چونکہ وہ خود بھی ریٹائرڈ رسالدار تھے۔ مرزا صاحب ان کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آئے۔ چچا صاحب نے نہ معلوم کن کن تعلقات کا ذکر کر

گر کے یا کسی طرح مرزا صاحب سے اپنی اصل غرض میں امداد چاہی تھی۔ کہ مرزا صاحب بھی متاثر ہو گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے مجھے دیوان خانہ میں بلوایا۔ جب میں گیا۔ تو مجھ سے بہت سفارش کی۔ کہ میں اپنے چچا صاحب کے ساتھ ایک مرتبہ پھر چلا جاؤں۔ اور یہاں تک فرما دیا۔ کہ اب کے اگر تم کو کوئی تکلیف ہو۔ تو ہم ذمہ دار ہیں۔ مگر میری طرف سے صاف اور کورا جواب پا کر مرزا صاحب نے بھی زیادہ زور نہ دیا۔ بلکہ میرے چچا مکرم کو صلح کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ آپ نے سخت غلطی کی۔ اور بعض مفسد لوگوں کے کہنے میں آ کر ایسا قدم اٹھا چکے ہیں۔ اب کسی کوشش کا کارگر ہونا محال نظر آتا ہے۔ آپ اگر جسطرح آئے تھے۔ میرے پاس آ جاتے تو میں شائد یوں بھی آپ کی کچھ امداد کر سکتا۔ کہ بھائی صاحب (سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہہ سُن کر ہی لڑکے کو آپ کے ساتھ بھجوا دیتا۔ اور اس طرح جو خلیج غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہو چکی تھی۔ بجائے بڑھنے کے شائد پُر ہو کر تعلقات طرفین کے اچھے ہو سکتے۔

غرض چچا صاحب موصوف اپنی کوششوں میں ناکام رہ کر خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔ اور گو مجھے تو پھر نہ ملے۔ مگر میں نے سُنا تھا۔ کہ وہ دو دن تک برابر قادیان کے ایسے لوگوں کے ساتھ صلاح و مشورہ میں مصروف رہے۔ جو منصوبہ بازی اور سازشوں کے عادی اور فسادی تھے۔ میں نے سنا کہ کئی قسم کے منصوبے ہوتے رہے۔ اور داؤ پیچ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مگر اللہ کریم نے اُن کو ہر لحاظ سے ناکام رکھ کر مجھے اپنی حفاظت میں رکھا۔ اور اُن کے ہر شر سے بچا لیا۔ ورنہ ان کی یہ کوشش اور حملہ اپنی شدت اور تنظیم کے لحاظ سے اتنا سخت اور اتنی گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ کہ اُن کو اس تیر کے خطا جانے کا وہم بھی نہ تھا۔ چچا صاحب مکرم ایک ریٹائرڈ حوالدار ہونے کی وجہ سے جہاں اپنی تدبیر و تجربہ کی پختگی کے باعث اپنی کامیابی کا یقین لے کر گھر سے چلے تھے۔ وہاں وہ اپنے رسوخ و ہوشیاری کے زعم میں بہت بڑے بول اِدّعا اور اقرار و قول بھی کر کے نکلے تھے اُن کو جہاں اپنی ذاتی قابلیتوں اور اثر و رسوخ پر ناز تھا۔ وہاں اپنے ساتھی مسلمان چوہدریوں کی ہمّت بہادری اور حُسن تدبیر پہ بھی گھمنڈ تھا۔ اور اُن کے علاوہ خود قادیان کے لوگوں کی امداد اور وعدوں نے تو اُن کی خیالی فتوحات اور کامیابیوں کو بالکل ہی اُن کے سامنے غلام بن کر کھڑا کر دکھایا تھا۔ وہ خود لائل پور شہر کے قریب بلکہ اس کی دیواروں سے لگتے ہوئے ایک چک (چک نمبر ۷۹) سے روانہ ہوئے جہاں اُن کے ساتھ ہی بعض دوسرے فوجی سرداروں وغیرہ کے مربعہ جات بھی تھے۔ اور سانگلہ ہل کے قریب غربی جانب موضع لدھڑ سے والد صاحب نے میرے بھائی اور تین مسلمان چوہدریوں کو اُن کے ساتھ کیا۔ جہاں والد صاحب پٹواری نہر تھے۔ اور لدھڑ، پڑو پیارہ اور بہلول پور وغیرہ دیہات اُن کے حلقۂ پٹوار میں شامل تھے۔

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ کہ والد صاحب محترم نے مجھے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک تحریری معاہدہ کر کے گھر لیجا کر میرے اسلام لے آنے کے معاملہ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ بلکہ صرف یہی بتایا تھا۔ کہ عزیز کسی چھاپہ خانہ میں ملازم ہو گیا تھا۔ جہاں سے اس کی لیاقت۔ قابلیت اور ہوشیاری کے باعث مالکان کارخانہ اُسے چھوڑنے پر رضامند نہ تھے۔ مگر میرے دوبارہ اُن کے فولادی پنجہ سے نکل کر قادیان پہنچ جانے کی وجہ سے اُن کو جو مشکلات درپیش تھیں۔ اور جسطرح وہ تنہا اپنی کوششوں سے میرے حصول اور واپسی سے مایوس ہو کر اصل معاملہ بھی جس کو وہ انتہائی ذلت، بدترین داغ اور کلنک کا ٹیکا سمجھتے تھے۔ ظاہر کر دینے پر مجبور ہو گئے تھے اور یہ سب کچھ اُن کو اپنی برادری کی مدد کے حصول کے لیئے کرنا پڑا تھا۔ اور اس ذیل میں میرے ان چچا صاحب کی تگ و دو سب سے پہلی مدد تھی۔

مگر جب چچا صاحب مکرم خالی ہاتھ واپس گئے۔ اور بوجہ ندامت و شرمندگی والد صاحب سے ملے بغیر ہی چڑھے چڑھائے سیدھے لائل پور چلے گئے۔ انہوں نے قادیان آنے سے قبل بہت کچھ لاف زنیاں کی تھیں۔ جو پوری نہ ہونے کے باعث انہوں نے مارے ندامت و شرمندگی کے منہ کو نہار رکھنا بھی پسند نہ کیا۔ اور والد صاحب کو چوہدری صاحبان سے حالات معلوم کر کے اور بھی زیادہ رنج و غم ہوا۔ اور جب رسالدار بہادر کی کارگزاری برادری کے لوگوں کو پہنچی۔ تو رشتہ داروں نے رنگا رنگ کے حیلے سوچنے اور منصوبے گانٹھنے شروع کیئے۔ کسی نے پھر نرمی و محبت سے کام نکالنے کو کہا۔ کسی نے جھوٹے مقدمات دائر کر کے مبتلائے آلام کرنے کی صلاح دی۔ کسی نے میرے سسرال کو اُکسا بھڑکا کر قانونی کارروائی کرنے پر آمادہ کرنے کا حیلہ سوچا۔ کسی نے زر سے اور کسی نے زور سے یہ کام انجام دینے کی ٹھانی۔ غرض جتنے مونہہ اتنی باتیں۔ جُوں جُوں ناکامی ہوئی، تُوں تُوں میرے بزرگوں کی مساعی کا رنگ بدلتا گیا۔ اور وہ گہری اور گھناؤنی سازشوں، ناجائز سے ناجائز وسائل کی طرف جھکتے گئے، اور ننگ و ناموس، عزت و آبرو کی بربادی کا خیال کر کر کے جوش انتقام میں بڑھتے گئے۔ مگر حسب فرمان خداوندی اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا اُن کی ساری سازشیں بیکار، سارے منصوبے ناکام، اور ساری کوششیں رائیگاں ہی جاتی رہیں۔ اور ہر میدان میں اللہ کریم نے ان کو ناکام و نامراد رکھ کر اُن کے اموال کے ضیاع اور دلوں کی حسرتوں کا موجب بنا دیا۔

میرے والدین اور رشتہ داروں کی ایسی کوششوں کے سلسلہ میں محترم چوہدری بیساکھی رام صاحب ریٹائرڈ رسالدار بہادر کی ناکام سعی کے بعد دوسرا حملہ جو میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے اور متاع اسلام کو چھین لینے کی غرض سے کیا گیا۔ وہ میرے ایک محترم بزرگ چوہدری نتھو رام صاحب زیلدار جالیوال متصل گورداسپور کے ذریعہ تھا۔ جو اپنی میٹھی زبان۔ شیریں کلامی، نرم طبیعت اور پُر حکمت خصلت کے باعث برادری میں معتبر اور معتمد و مسلّم تھے۔ اور خیالات کی پختگی، مذہبی معلومات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہوشیار و سمجھدار واقع ہوئے تھے۔ اپنی ملازمت سے رخصت حاصل کر کے میرے پاس قادیان پہنچے۔ اور پوری عقلمندی، دانائی اور حُسن تدبیر سے میری طبیعت کا مطالعہ کر کے مجھ سے دو دن متواتر نہایت محبت و پیار کے رنگ میں ذکر اذکار میں مصروف رہے۔ میرے دلی حالات کا اندازہ اور قلبی کیفیات کا جائزہ لیا۔ اور اس کے نتیجہ میں اُن کا سارا زور اور ساری توجہ اوّل اوّل تو اس بات پر مبذول رہی۔ کہ اسلامی احکام اور خداوندی فرمان یاد کرا کر مجھے والدین کے حقوق، عزیزوں اور رشتہ داروں سے سلوک وغیرہ اخلاق کی پابندی کرنے کی تاکید اور میرے جذبات کو ابھار ابھار کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور اس دوران میں اُن کا مطالبہ مجھ سے صرف یہی تھا۔ کہ جو بات تمہیں پسند آ گئی ہے اور جس چیز کو تم صداقت یقین کرتے ہوئے ہم سے جدا ہوئے ہو۔ بے شک اُسی پر قائم رہو۔ ہم اس میں ہرگز ہرگز روک ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ مگر خون آخر خون ہے۔ سو تم خونی تعلقات قطع نہ کرو۔ اور ماں باپ کی فرمانبرداری کر کے اُن کو خوش کرو۔ کیونکہ اس کے بغیر تو تمہارا اسلام بھی قبول نہیں۔ اور ایسے مشفقانہ اور ناصحانہ رنگ میں میرے دل کو موہ لینے کی راہیں اختیار کرتے رہے۔ کہ خدا کے خاص فضل کے بغیر اُن کے اس پوشیدہ اور باریک جال سے بچ نکلنا مشکل تھا۔

میرے مربّی اور دوست و بزرگ بھی ان شکاریوں کی تاک گھات کی پوری نگرانی کرتے تھے۔ اور موقعہ بموقعہ میری مدد کرتے اور مناسب جواب، راہ صواب کی طرف راہ نمائی کرتے رہتے تھے۔ مگر سب سے بڑھ کر میرا سابقہ تجربہ اور والد صاحب کی خلاف معاہدہ کارروائی جس کا تحریری ثبوت سیدنا حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء کی فراست اور دوربینی کے باعث میرے ہاتھ میں تھا۔ میرے بزرگ ناصح اور مشفق بھائی کی ساری دلیلوں اور چالوں کے لیئے عصائے موسوی کا حکم رکھتا تھا۔ جس کے مقابلہ کی وہ تاب لا نہ سکتے تھے نہ اس کا کوئی معقول جواب دے سکتے تھے۔ آخر سارا زور مارنے اور سر پٹک چکنے کے بعد جب انہوں نے دیکھا۔ کہ ان تلوں میں وہ تیل نہیں جس کی اُن کو تلاش اور جستجو ہے۔ تو انہوں نے رنگ بدلا۔ اور رُخ پلٹ کر وہ ناصحانہ اور مصلحت آمیز لباس اتار پھینکا۔ اور اپنے اصلی روپ میں مجھ پر ظاہر ہونے لگے۔ نصیحت و خیر سگالی کا جامہ چاک ہو گیا۔ اور پھر وہ اپنا اندرونہ چھپانے کے قابل نہ رہے۔ نصیحت کی بجائے بحث مباحثہ کا رنگ اختیار کر لیا۔ دلائل کے زور سے مجھ کو ملزم کرنے کی کوشش کی۔ اور عیسائی اور آریہ معاندین کے بودے کند اور کمزور ہتھیاروں سے مجھ پر وار کرنے شروع کر دیئے عبداللہ آتھم کی پیشگوئی اور لیکھرام کے مباہلہ کو بار بار پیش کر کے مجھ پر غلبہ و رعب جمانے کی کوشش کی۔ مگر چونکہ انہی دنوں ایسے اعتراضات کے دندان شکن جوابات کا ایک خزانہ اور معارف کا ایک دریا سیدنا حضرت اقدسؑ کی

پُرنور تصنیفات میں تازہ بتازہ میرے مطالعہ میں آرہا تھا جس کی طفیل میں بجائے مغلوب ہونے کے غالب اور مفتوح ہونے کے فاتح اور ذلیل ہونے کے سربلند ہی رہا جس سے متاثر ہوکر میرے بھائی کو اپنی کم علمی کا اعتراف اور مغلوبیت کا اظہار کیئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اور آخر فیصلہ پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی پر منحصر ٹھہرا۔ جو ابھی تک پیشگوئی کی میعاد کے اندر حالت انتظار میں تھا۔

چوہدری نتھو رام صاحب نے اس رنگ میں بھی دال گلتی نہ دیکھی۔ تو اپنا آخری اور اوچھا ہتھیار نکالا۔ اور میری غیرت اور حمیّت کو چیلنج کیا۔ جذبات کو اپیل کی اور تانبے پیتل اور کانسی کے برتنوں، مٹی کے لوٹے، ٹھوٹھے اور کنالیوں کے طعن دینے شروع کر دیئے کہیں مسلمانوں کی موجودہ بدعملی، خستہ حالی، اور افلاس و غربت کے تذکرے اور ہندو اقوام کی بڑائی و مالی برتری کے افسانے سُنا سُنا کر مجھے جوش دلانے کی کوشش کی۔ اور کبھی خاندانی شوکت و سطوت اور بڑے بوڑھوں کے کارنامے سُنا سُنا کر شرم دلانے کی راہ اختیار کی۔ اور انجام کار جب دیکھا۔ کہ اُن کے سارے حیلے بے اثر اور سارے حربے بے کار رہے تو یہ کہتے ہوئے مجھ سے رخصت ہوگئے کہ

"ٹُٹّیاں باہیں گل نُوں ای آندیاں ہین۔"

یعنی مسلمانوں نے جو سبز باغ تمہیں دکھا کر ورغلایا ہے اور جھوٹے وعدے دیکر اغوا کر لیا ہے۔ چند روز میں اُن کی حقیقت تم پر کُھل جائیگی۔ تب تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔ ابھی چونکہ نئے نئے اس جال میں پھنسے ہو۔ آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرے گا۔ کہ یہ نشہ اُتر جائے گا۔ اور تم سمجھو گے کہ کسی خیر خواہ کی نصیحت کو کسطرح ردّ کیا اور ٹھکرایا تھا۔

دیکھو پھر کہتا ہوں کہ

"ڈھلیاں بیراں دا اجے وی کجھ نہیں گیا۔" مان لو بھلا ہوگا۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

میرے مکرّم ایسے ہی الفاظ کہتے ہوئے مجھ سے جُدا ہونے کو کھڑے ہوگئے۔ اگرچہ میرا دل نرم تھا۔ اور اُن کے ادب کا بھی مجھے پاس تھا۔ مگر اُن کے آخری حملہ کو بے جواب چھوڑنے کو میں نے بے غیرتی اور دون ہمّتی یقین کرتے ہوئے خاموش رہنا برداشت نہ کیا۔ اور جاتے جاتے مخاطب کرکے بصد ادب عرض کر ہی دیا۔ کہ

اگر یہ دِل صرف اور صرف خدا کے لیئے آپ لوگوں سے جُدا ہوا ہے۔ تو یقیناً وہ اِن بازوؤں کو نہ ٹوٹنے دیگا۔ بلکہ خود غیب سے ہمیشہ میری دستگیری و امداد فرمائیگا۔ اور میں اس یقین پر ہوں۔ کہ وہ ذاتِ والا صفات کبھی بھی مجھے ایسے دعوے کرنے اور بڑے بول بولنے والوں کا محتاج نہ ہونے دیگی۔"

میں نے یہ الفاظ چلتے چلتے بہت ادب سے اُن کے گوش گذار کیئے جس کے بعد وہ اپنے گاؤں کو چلے گئے۔ اور مجھے اللہ کریم نے اپنے فضل بے پایاں سے اس مرحلہ پر بھی ثبات و نشاط بخشکر نوازا، اور دارالامان ہی میں جگہ عطا فرمائے رکھی۔ فالحمدللہ

چوہدری صاحب مکرّم مجھے پھر بھی ملتے رہے کبھی وہ مجھے گورداسپور میں ملے۔ تو کبھی میں اُن کو جاپووال میں جا کر ملا۔ مگر پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی کے ناقابلِ انکار واقعہ نے اُن کے دل پر ایسا اثر کیا۔ کہ پھر انہوں نے کبھی بھی مجھ سے مذہبی معاملہ میں گفتگو کرنے کی جرأت نہ کی۔ اور صداقت و حق کے سامنے یوں گردن ڈال دی کہ گویا تسلیم کے مقام پر کھڑے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ بھی ان کی شرافت کا تقاضا تھا۔ ورنہ ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں۔ جو آج بھی اس پیشگوئی پر بیباکی سے اعتراض کرتے اور بحث مباحثے کرتے رہتے ہیں۔

اِس جار جہاد اور دوڑ دھوپ کے بعد مختلف طریق سے مجھے مرعوب کرنے اور دھمکانے کی غرض سے رنگا رنگ اور گوناگوں خبریں میرے کانوں تک پہنچائی جانے لگیں۔ اور بعض معتبر لوگوں نے مجھے بتایا۔ کہ میرے والدین اور رشتہ دار میرے سسرال کو میرے خلاف کوئی مقدمات دائر کرنے کی کوشش کرا رہے ہیں۔ اور برادری نے اُن پر بہت زور اور دباؤ بھی ڈالا۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے ایسی نجاست پر مونہہ مارنے سے عذر کر دیا۔ کہ پہلے ہی

"نہ معلوم کس پاپ کی سزا ہمیں بھگتنا پڑی ہے۔
اور اپرادھ کرکے ہمارا کہاں ٹھکانہ ہوگا۔"

مگر میرے والد صاحب اور بعض عیّار رشتہ داروں کو نہ معلوم کتنی جلن لگی تھی۔ کہ اُن کے غضب کی آگ بُجھنے ہی میں نہ آتی تھی۔ اور وہ میرے درپئے آزار ہی چلے جا رہے تھے۔

نہ معلوم کتنے منصوبوں اور سازشوں میں اُن کو ناکامی و نامرادی کا مونہہ دیکھنا نصیب ہوا۔ اور آتش انتقام کہاں کہاں اُن کو لیئے پھرتی رہی۔ کس قدر مال و منال ایسی حیلہ سازیوں کی انہوں نے نذر کیا۔ اور کس کس کی دربردہ ناصیہ فرسائی کرتے پھرے جس کے نتیجہ میں ایک روز اچانک ایک مذکوریا میرے نام کا ایک سمن لیئے میری تلاش میں کُو بکُو پھرا کیا۔ اور آخر میرے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جبکہ میں مسجد اقصٰی سے ڈیرے کو جا رہا تھا۔ اس نے مجھے سمن دکھا کر دستخط کرنے کا تقاضا کیا۔ میرے لیئے عمر بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ سرکاری کاغذ میرے نام آیا۔ کچھ گھبراہٹ تھی۔ کچھ عیّار مذکورئیے کا تقاضا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ قلم دوات مذکورئیے چپراسی ساتھ رکھا کرتے تھے نکال سامنے کی۔ اور میں نے اطلاع یابی کر دی۔ بلکہ الفاظ بھی وہی لکھے جو مذکورئیے نے لکھائے۔

مجھے یہ بھی تو علم نہ تھا۔ کہ سمن کا مثنیٰ مجھے لینا چاہیئے جو کچھ ہوا۔ اس میں پہلی بعض افواہوں اور اخبار کا بھی اثر و دخل تھا۔ سوجھی تو صرف یہ کہ سیدھا اپنے آقائے نامدار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے در پر جا کر دستک دی۔ دریافت پر اپنا نام عرض کیا۔ اور حضور پرنور بہ نفس نفیس دروازہ پر تشریف لے آئے۔ نہایت ہی لطف و کرم سے بات پوچھی۔ جو میں نے لرزتے کانپتے عالم پریشانی ہی میں عرض کر دی۔ حضورؑ نے توجہ سے سُن کر نہایت ہی محبت آمیز لہجہ میں فرمایا (ایک لمحہ بھر کے وقفہ کے بعد)

"میاں عبدالرحمٰن آپ نے سمن کو پڑھا بھی تھا۔ کہ کس مقدمہ میں حاضری مطلوب ہے۔ اور کس تاریخ کو پیشی ہوگی؟"

حضور! نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ اور حضور مجھے تو سمن اور مقدمہ کے نام سے ہی ایسی گھبراہٹ ہوئی۔ کہ کچھ سمجھا نہ بوجھا۔ اور جو کچھ اس نے کہا میں نے لکھ کر دیدیا۔

فرمایا۔

"میاں عبدالرحمٰن غلطی ہوئی ہے۔ جلد جاؤ۔ اور اس کو تلاش کرکے تاریخ حاضری تو معلوم کر لو۔"

بہت اچھا حضور! عرض کرکے میں گلی بازاروں میں اُس چپڑاسی کی تلاش کرنے لگا۔ اور آخر کم و بیش دو گھنٹہ کی تلاش اور سرگردانی کے بعد وہ مجھے مل گیا۔ اور جسطرح حضورؑ نے ہدایت فرمائی تھی۔ نرمی اور حکمت سے میں نے سمن کا مثنیٰ مانگا۔ اور حاضری کی تاریخ پوچھی۔ مگر

میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جب مجھے تاریخ حاضری کا علم ہوا۔ میری جان میں جان آگئی۔ کیونکہ جس تاریخ کے لیئے مجھ پر سمن کی تعمیل کرائی گئی تھی۔ وہ تاریخ دو دن ہوئے گذر بھی چکی تھی۔ میں نے جھٹ اپنے دستخطوں کے نیچے وصولی سمن کی تاریخ درج کر دی۔ اور خود حضرت اقدسؑ کے حضور حاضر ہو کر معاملہ عرض کیا جس پر حضورؑ تبسّم فرماتے "اچھا ہوا۔ اور بہت اچھا ہوا" فرماتے ہوئے اندر تشریف لے گئے۔ اور اس طرح محض حضورؑ کی توجّہ کی طفیل سے وہی بات ہوئی۔ کہ:۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت پھر نہ کبھی کوئی سمن آیا۔ نہ مجھے کسی نے طلب کیا۔ نہ معلوم کیا تھا۔ اور وہ معاملہ کدھر چلا گیا۔

اِن آئے دن کے جھگڑے بکھیڑوں، افراتفری اور کشمکش سے تنگ آکر آخر میں نے اس قضیہ کو ہمیشہ کیلیئے ختم ہی کر دینے کی تجاویز سوچنا شروع کیں۔ کیونکہ جہاں مجھے اپنی ذات میں نت نئے فتنوں کی وجہ سے بے اطمینانی اور تشویش رہا کرتی۔ والدین کی بربادی اور اُن کے مال و منال کے ضیاع کا خیال بھی ستایا کرتا تھا۔ والدین اور رشتہ داروں کے ایسے حملوں اور کوششوں سے مجھے اپنی کمزوریوں کا بھی احساس ہونے لگا۔ اور خیال پیدا ہوا۔ کہ کوئی نہ کوئی نقص ضرور مجھ میں ہے۔ ورنہ دشمن کو مایوس ہو کر ہمیشہ کیلیئے مجھ سے ناامید ہو جانا چاہیئے تھا۔ چنانچہ سوچ بچار اور دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالٰے نے میرے دل میں ڈالا۔ کہ جب تک شیطان بالکل مایوس اور ناامید نہیں ہو جائیگا۔ میں خطرہ سے باہر نہ نکل سکونگا۔ اور حقیقی اطمینان اور تسلّی میسّر نہ آئیگی۔ لہٰذا میں نے ایک مفصّل خط علیحدہ والدہ صاحبہ کی خدمت میں لکھّا جس میں اپنے اسلام لانے کی وجوہات پر خود اُن کی اپنی ضمیر کو بطور شاہد و گواہ پیش کرتے ہوئے اپنے پہلے حالات و اخلاق کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کرائی۔ اور بالآخر یہ لکھا۔ کہ ان حالات میں خود

آپ کا دل جانتا ہے۔ کہ اسلام کے معاملہ میں مجھ پر نہ کسی نے دباؤ ڈالا ہے۔ اور نہ ہی کوئی طمع اور بد اخلاقی اس کی محرک ہوئی ہے۔ بلکہ اسلام کی خوبیوں اور اس کے برکات نے میرے دل بلکہ دل کی گہرائیوں پر اثر کر کے میرے قلب کو فتح کر لیا ہے۔ اس صورت میں کیونکر ممکن ہے۔ کہ آپ لوگ میرے دل سے اس بات کو نکال سکیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ میرے جسم اور گوشت پوست پر قابو پا سکتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنے نہ ہونگے کہ آپ میرے دل سے اسلام کو نکال دینے میں بھی کامیاب ہو جائینگے۔ اوّل تو آپ کو اپنا سابقہ تجربہ ہی اس امر کے سمجھ لینے کے لئے کافی معاون تھا۔ کہ آپ لوگ باوجود ہزارہا روپیہ بے دریغ لٹا دینے اور مہینوں نہیں سالوں سرگردانی کے مجھ پر قابو نہیں پا سکے اسی سے سبق حاصل کر کے خدا کی مرضی پر راضی ہو رہتے۔ مگر بفرض محال اگر مان بھی لیا جائے کہ کبھی آپ مجھے میری مرضی کے خلاف پکڑ لے جانے میں کامیاب بھی ہو جائیں۔ تو پھر کیا ہوگا؟ اسلام میرے رگ و پے اور خون میں خدا کے فضل سے اسطرح رچ چکا ہے۔ کہ اگر آپ لوگ میرے جسم کے ٹکڑے بھی کر دیں۔ اور ان ٹکڑوں کا قیمہ بھی بنا دیں۔ تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہر ذرہ سے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہی کی صدا بلند ہوگی جسم مغلوب ہو سکتے ہیں۔ اور طاقت یا ظلم سے اس پر فتح پائی جا سکتی ہے۔ مگر قلوب کا فتح کرنا صداقت و راستی کے سوا ناممکن ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مصلحت الٰہی سے میرا یہ خط والدہ محترمہ کو جب پہنچا۔ والد صاحب گھر پر نہ تھے۔ بلکہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اور طرفہ یہ کہ خط والدہ محترمہ نے پڑھوایا۔ تو کسی مسلمان سے۔ جس نے خط سنانے کا حق بھی ادا کر دیا۔ اور وہ خط ایسا مؤثر ثابت ہوا۔ کہ والدہ محترمہ زار و قطار رونے لگیں۔ اور اُسی جگہ عہد کر لیا۔ کہ آئندہ اس طریق کو قطعی طور سے ترک کر دیں گے۔ چنانچہ مجھے جواب بھی بہت معقول اور تسلّی بخش دیا۔ "اچھا بیٹا جیتے رہو۔ تمہاری طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی رہے۔ ہونا تھا جو ہو چکا۔ اب پرمیشور سے تو لڑا نہیں جا سکتا۔"

یہ خدا کا محض فضل تھا کلام مرھون باوقاتھا والی بات پر خط ٹھکانے لگا۔ اور اسطرح سے قصہ ہمیشہ کیلئے ختم ہی ہو گیا۔

زمانہ ٹھیرا نہیں رہتا۔ بلکہ گذرنے والی چیز ہے۔ گزرتا گیا اور چلتا ہی رہا۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن چڑھتے گئے اور گذرتے گئے۔ اور دنوں کے بعد ہفتے۔ مہینے۔ اور مہینوں کے بعد سال بھی گذرے۔ اور گذرتے گذرتے دو نہیں بلکہ چار ہی سال گذر گئے ہونگے جن میں ان واقعات کا ظہور ہوا۔ دوسری طرف سلسلہ نے بھی ترقی کی اور دن دونا رات چوگنا بڑھنے لگا۔ دشمن گھٹتے گئے اور دوست بڑھتے گئے۔ حتّٰی کہ نوبت یہاں تک آن پہنچی۔ کہ وہی مسجد (مسجد مبارک) جو باوجود اپنی تنگی کے ہم پر فراخ رہا کرتی تھی۔ اب ہم پر تنگ ہونے لگی۔ ہر حصہ میں بجائے دو دو صفوں کے تین تین صفیں بنانے سے بھی کام نہ چلا تو سیّدنا حضرت اقدس کے بیت الفکر کے مشرقی جانب کا صحن بھی نمازیوں کے واسطے کھلوا دیا۔ اور اسی پر بس نہ رہی بلکہ اکثر بیت الفکر کے اندر بھی نمازی نمازیں ادا کرنے لگے۔

آریہ مڈل سکول کے مدرسوں کے تعصب اور تنگ نظری سے تنگ آکر جب ہمارے بچّوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور وہ ہر وقت گندے اعتراضات، دلآزار حرکات اور توہین آمیز سلوک نہ برداشت کر سکے تو حضرت اقدسؑ کے حضور شکایت پہنچی۔ حضور نے توکلاً علی اللہ دعا و استخارہ اور مشورہ کے بعد اپنا سکول کھولے جانے کا فیصلہ فرما دیا۔

اور اس کے واسطے ایک اعلان بھی شائع فرمایا۔ پنڈت لیکھرام پشاوری کی مونہہ مانگی پیشگوئی جو پورے جلال اور اپنی پوری شان و شرائط کے ساتھ ظہور پذیر ہوئی۔ جلسہ اعظم مذاہب میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لیکچر پڑھا گیا۔ اور "مضمون بالا رہا"۔ کی تصدیق دوست دشمن نے کی۔ "الحکم" جاری ہوا۔ پہلے امرتسر سے پھر قادیان سے اور اس کو خدا کے برگزیدہ سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بازو بننے کی عزت و شرف نصیب ہوا۔

الغرض یہ اور ایسے ہی کئی اور تغیرات کیا روحانی اور کیا جسمانی۔ کیا زمینی اور کیا آسمانی، افراد کے لحاظ سے یا جماعتی رنگ میں رونما ہوتے رہے۔ کئی نئے واقعات ہوئے اور کئی حالات بدلتے رہے۔ جن میں سے ہر ایک کا ذکر ایک طویل بیان اور مفصّل کتاب چاہتا ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق بخشی، صحت و طاقت عطا فرمائی۔ اپنے اپنے وقت پر لکھنے کی کوشش کرونگا۔ اسوقت جس سلسلہ کے متعلق میں لکھ رہا ہوں اس کا تعلق چونکہ سکول سے شروع ہوتا ہے۔ اسوجہ سے خصوصیّت سے لکھنا پڑا۔

سکول کے باقاعدہ کھلنے سے قبل ہی میں نے اِدھر اُدھر سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گھیر سنبھال کر بٹھانا اور پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ اور جو جس لائق ہوتا اس کی لیاقت کے مطابق ہی (دوسری یا تیسری جماعت) اس کو پڑھانا شروع کر دیتا۔ اور اِسطرح گویا اپنے سکول کا سب سے پہلا استاد یا ماسٹر میں بنا۔ سکول نے باقاعدگی اختیار کی۔ بڑے لڑکے بھی پڑھنے لگے۔ تو بڑے بڑے ماسٹر بھی آگئے۔ اور اسطرح اللہ تعالےٰ کے فضل سے سکول ترقی کے مدارج طے کرنے لگا۔ اور بڑھتا گیا۔

اسی زمانہ کا ذکر ہے۔ کہ میں بیمار ہو گیا۔ اور باوجود باقاعدہ علاج معالجہ کے جو حضرت حکیم الامت جیسے حاذق اور بے نظیر ہمدرد خلائق شاہی طبیب پوری توجہ اور باقاعدگی سے کرتے رہے بیماری بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ تپ دق بنگئی اور پہلا درجہ طے کر کے دوسرے بلکہ تیسرے درجہ تک جا پہنچی اسی پر بس نہیں نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ حضرت مولانا مولوی نور الدین اعظمؓ جیسا باکمال اور کبھی نہ تھکنے اور مایوس ہونے والا انسان بھی گھبرا گیا۔ اور ایک روز تو برملا کھلی مجلس میں میری حالت کے متعلق ایسے الفاظ حضور کی زبان سے نکل گئے۔ کہ مجھ سے تعلق رکھنے والے بعض دوست اسی مجلس میں چشم پُر آب ہو گئے۔ جن میں سے حضرت قاضی سیّد امیر حسین صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ اور ایک میرے عزیز دوست شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی جو بعد میں میرے نسبتی بھائی ہوئے خاص طور سے مجھے یاد ہیں۔ وہ جب سے قادیان آئے۔ میرے ساتھ رہتے اور مجھ سے محبت رکھتے تھے اور اس بیماری میں انہوں نے میری ایسی بے لاگ اور مخلصانہ خدمت کی جس کی یاد میرے دل سے محو ہو سکتی ہے۔ نہ میں اُن کے اس احسان و خدمت کا کوئی صلہ دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اُن کو جزا دے اور انکو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کرے آمین

بعض اوقات میں دیکھتا اور محسوس کرتا۔ کہ وہ علیحدگی میں کبھی مجھ سے آنکھ بچا کر رو بھی لیا کرتے۔ یا بعض دوسرے دوستوں سے جو میری عیادت کو تشریف لاتے کچھ ایسے رنگ کی باتیں کرتے جس سے مجھے ان باتوں کے معلوم کرنے کی ٹوہ ہوئی اور آخر ایک روز بالکل تنہائی میں میں نے اُن سے بات پوچھی جسے گو انہوں نے آج بھی ہمیشہ کی طرح مجھ سے چھپانے ہی کی کوشش کی۔ مگر آخر میرے اصرار پر مجھے بتا دینے سے قبل خود زار و قطار رونے لگ گئے۔ اور بمشکل کئی دفعوں کے بعد سارا قصہ میری سمجھ میں آسکا جس کے سننے سے گو طبعًا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ مگر میں نے فورًا عزیز کو سارا ماجرا خدا کے برگزیدہ مسیحؑ کے حضور عرض کرنے کی تاکید کے ساتھ درخواست دعا کی غرض سے بھیجدیا۔ حضور نے بات سنکر افسوس کیا۔ اور فرمایا:۔ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی۔ اور ساتھ ہی دوائی بتا کر تسلّی دی۔ اور فرمایا۔ کہ آپ فورًا اس دوائی کو شروع کر دیں۔ اور حالت کی اطلاع جلد جلد دیتے رہیں۔ ہم دعا بھی کریں گے۔ وہ دوائی کیا تھی؟ صَبِر۔ فرمایا صَبِر اور صَبر کا مادہ ایک ہی ہے جیسطرح یہ صَبِر نہایت تلخ چیز ہے۔ اسی طرح صبر بھی تلخ اور مشکل ہوتا ہے۔ مگر نتیجہ دونو کا خدا کے فضل سے مفید، بابرکت اور انجام بخیر ہے۔ اس دوائی کو مکھن یا بالائی میں لپیٹ کر صبح و شام کھایا کریں۔ اور ساتھ ہی مقدار بھی ایک خوراک کی الگ فرما کر بتا دی۔

میرا حال یہ تھا۔ کہ میرا مکان الگ کر دیا گیا۔ میرے کھانے پینے کے برتن جدا کر دیئے گئے۔ اور میری عیادت کو آنے والوں کو میرے پاس زیادہ ٹھہرنے اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔ حتّٰی کہ خود شیخ احمد دین صاحب کو بھی یہ تاکید تھی۔ کہ مجبوری اور ضرورت کے سوا زیادہ میرے قریب نہ رہیں۔ اور اِسطرح مرض اور بیماری کے علاوہ اِن حالات سے جو اثر میری طبیعت پر پڑنے لگا۔ وہ بہت ہی تکلیف دہ، دل شکن اور روح فرسا تھا۔ اوّلًا تو مجھے علیحدہ مکان کے حصول ہی میں مشکلات کا سامنا ہوا۔ اور کوئی مکان اپنے حلقہ میں ایسا میسّر نہ آیا جس میں مصیبت کے یہ دن کاٹ سکتا۔ دوسرے محلوں میں جا کر رہنا زندہ درگور ہونا اور موت کے خیال سے بھی بھاری تھا۔ مگر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں محترمہ خاتون فضل النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کی تربت و روح پر اور خداوند کریم اُن کو اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ عطا فرمائیں۔ کہ انہوں نے مجھ غریب و بے کس کے حال پر رحم کھا کر اپنے اثر و رسوخ سے خان بہادر حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے مکانات میں سے ایک کوٹھری خام دلا کر اس فکر اور تشویش سے نجات دلائی۔ جو اس وقت موجودہ صادق لائبریری کے صحن والی جگہ کے جنوب مغربی کونہ میں واقع تھی۔ اور اس کے غرب میں کوچہ اور کوچہ کے دوسری جانب سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا

کا موجودہ باورچی خانہ والا کمرہ ہے۔ جنوبی جانب حضرت نواب صاحب قبلہ کے موجودہ بلند و بالا مکان کی حد واقع تھی۔ اور یہ حصے اُس زمانہ میں بالکل ایک ویران چوگان کی شکل میں کھنڈر اور غیر آباد پڑے تھے۔

محترمہ خاتون جن کے احسان و فیاضی کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ بھی رشتہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان اور مرزا نظام الدین صاحب کی ہمشیرہ تھیں اور اُن کے مجھ پر اور بھی بہت سے احسانات ہیں۔ خداوند تعالےٰ اُن کو بہت بڑے انعامات سے نوازیں۔ آمین

دوائی حضورؑ پرنور کی ہدایات کے مطابق کھانی شروع کر دی گئی۔ اور شائد ایک ہفتہ گذرا ہوگا۔ کہ میری طبیعت سنبھلنے لگی۔ مرض گھٹنے لگا۔ اور صحت ترقی کرنے لگی۔ اور ہوتے ہوتے حضورؑ کی توجہات کریمانہ کی طفیل اللہ کریم نے ایسا فضل کیا کہ ایک روز جبکہ حضورؑ صبح کی سیر کے واسطے جانے لگے۔ میں نے دل کو مضبوط کیا۔ اور لاٹھی کے سہارے لرزتا اور کانپتا حضورؑ کی زیارت کے لئے بستر مرگ ہی سے گویا اٹھ کر احمدیہ چوک کی طرف بڑھا۔ میں موجودہ صادق لائبریری کے ریڈنگ ہال والی جگہ سے کوچہ میں پہنچا۔ تو حضور پُرنور اس وقت حضرت حکیم الامت مولانا مولوی نور الدین اعظم رضؓ کے مطب کے پاس تھے میں چند ہی قدم بڑھا تھا۔ اتنے میں حضور مکرمی مفتی فضل الرحمن صاحب کے مطب کے پاس آپہنچے۔ میں نے سلام عرض کیا حضورؑ نے آواز پہچان کر جواب دیا۔ اور ایک نظر شفقت مجھ پر ڈالی اور فرمایا۔

"میاں عبد الرحمن کیا حال ہے؟"

جواب میں بصد ادب میں نے عرض کیا۔ اور حضور اتنے میں میرے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔

"حضور موت کے بعد ایک نئی زندگی ملتی معلوم ہوتی ہے۔"

اس پر حضورؑ نے فرمایا۔

"ٹھیک ہے۔ کوڑ کا گوشت پوست تھا۔ وہ جاتا رہا۔ اب سب خیر ہے اب اصلی گوشت پیدا ہوگا۔"

اور مسکراتے ہوئے معہ خدام سیر کو تشریف لے گئے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ کہ سیدنا حضرت مولانا مولوی نور الدین اعظم رضؓ کو اللہ تعالےٰ نے جہاں دینی علوم میں ید طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ اور وہ زمانہ میں ایک عالم بے بدل مانے ہوئے تھے۔ وہاں علم طب میں بھی اُنکو کمال حاصل تھا۔ اور ان کی تشخیص و علاج کا زمانہ بھر میں سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور چونکہ وہ نہایت درجہ بے نفس، بے ریا اور سچے خیر خواہِ خلق واقع ہوئے تھے۔ اکثر خدا تعالیٰ خود اُن کی الہام سے بھی مدد فرماتا تھا۔ یہی وجہ تھے۔ کہ ملک کے کناروں سے لوگ بیماروں خصوصاً لاعلاج بیماروں کو لے کر حضرت کی خدمت میں قادیان آیا کرتے تھے اور اکثر اُن میں سے معجزانہ رنگ میں شفایاب ہو کر واپس ہوا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب چونکہ روحانیت کے لحاظ سے بھی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ کسی مرض کو لاعلاج کے نام سے یاد کرنا ناپسند فرماتے۔ اور خطرناک سے خطرناک مریضوں کے علاج سے بھی اکتایا نہ کرتے۔ اور دوا و دعا دونو رنگ میں پوری ہمدردی اور کوشش و توجہ سے بلا امتیاز غریب و امیر کا علاج فرماتے حتّٰی کہ بعض لوگوں پر تو اُن کی غربت و بیکسی کے باعث مفت دوائی کے علاوہ کھانے اور دیگر ضروریات کے واسطے بھی اپنی جیب سے خرچ کیا کرتے۔ اور علاج معالجہ میں کبھی تھکا نہ کرتے تھے۔

ظاہر ہے۔ کہ ایسے انسان کی زبان سے اگر کسی مریض کے متعلق ایسے الفاظ نکلیں جنکو سننے والے اس مریض پر چار آنسو بھی بہا دیں نہ معمولی سمجھ یا کمزور دل گردہ کے انسان بلکہ حضرت قاضی امیر حسین صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا جری اور باحوصلہ انسان بھی ان الفاظ سے متاثر اور اُن کے نتیجہ و مفہوم سے مریض کے انجام کا خیال کرکے رو دے۔ تو اس مریض کی حالت اور مرض کی شدت و غلبہ کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ بیماری نے مجھ پر ایسا غلبہ پا لیا تھا۔ کہ صحت کی نسبت موت زیادہ قریب نظر آ رہی تھی۔ اور خدا کا خانہ خالی چھوڑ کر اگر ظاہری حالات سے کوئی اندازہ کرنا اور کسی مریض کے متعلق فتویٰ دینا جائز ہو سکتا تھا۔ تو وہ یقیناً میری موت کا فتویٰ تھا۔

میں چارپائی سے اٹھ کر رفع حاجت تو درکنار پہلو بدلنے اور کروٹ لینے سے عاجز ہو چکا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ کہ پل پل اور گھڑی گھڑی کی خبریں منگائی جانے لگیں اور ایک کی بجائے دو تین آدمی میری خبرگیری کے واسطے مقرر کیے گئے۔ اور نہ صرف یہی کہ نبض شناس ہی میری بیماری اور مرض کی شدت اور میری حالت سے میرے انجام کو قریب تر محسوس کرنے لگے بلکہ اس بات کا عام چرچا ہو گیا۔ اور اپنوں اور پرائیوں کے کان کسی خبر کی انتظار میں رہنے لگے تھے۔

ان حالات میں میرا صحت پا جانا یقیناً یقیناً موت کے مونہہ بلکہ قبر سے واپس آجانا تھا۔ جو خدا کے خاص فضل اور دستِ قدرت کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ اور اس فضل اور خدا کی خاص قدرت کو جذب کرنے والی صرف اور صرف میرے محسن اور خدا کے برگزیدہ نبی کی توجہات کریمانہ اور دمِ مسیحائی تھا۔ ورنہ سچ یہی ہے۔ کہ میں مر چکا تھا۔ اور رونے والے مجھ پر رو بھی چکے تھے۔

کون کہتا ہے۔ کہ میرا جی اٹھنا مردوں کے جی اٹھنے سے کم تھا۔ یہ تو میری آپ بیتی ہے۔ اور میرے یقین و ایمان بلکہ علم و عرفان میں ازدیادی مضبوطی اور ترقی کا موجب ہوئی۔ اور اسی سے مجھے میرے جیسے اور بیسیوں نہیں سینکڑوں نہ صرف روحانی بلکہ جسمانی زندگی سے مایوس انسانوں کے واقعات اور نئی زندگی کی صداقت پر بصیرت نصیب ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ میں صرف نہ خود زندہ ہو گیا۔ بلکہ خدا کے اس رسول کی طفیل مجھے ایک زندہ ایمان بھی میسر آگیا۔ جو رسمی اور اصلی ایمان و اسلام سے ہر لحاظ سے ممتاز تھا۔ خانزادہ عبد الرحیم خان صاحب خالد آف مالیر کوٹلہ جو حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ اور میاں عبد الکریم صاحب حیدر آبادی (بلکہ جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا شیر علی صاحب بی۔ اے کی زندگی اور حیات طیبہ بھی بالکل ہی) اور مسیحائے زماں مہدی دوراں ہی کے انفاس قدسیہ۔ معجز نما توجہات اور دم مسیحائی ہی کی رہین منت ہے جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی صفتِ کُن کو جوش میں لانے اور اس کے فضل کو جذب کرنے کے لئے دستِ دعا پھیلائے۔ جن حالات میں سے گذرے اور جب طبیب و ڈاکٹر اُن کی زندگی سے ناامید ہو گئے۔ اُس سے کم نہیں تھا میرا معاملہ اور سچ یہ ہے۔ کہ میرا وجود بھی اور لاکھوں معجزات، کرامات اور خارق عادت واقعات کی طرح خدا کے برگزیدہ نبی کی صداقت کا ایک چلتا پھرتا نشان ہے۔

خدا کے برگزیدہ اور پیارے مسیح کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ پورے ہوئے۔ مرض گھٹتا گیا۔ اور صحت بڑھتی گئی۔ آج کچھ اور کل کچھ روز افزوں طاقت آنے لگی۔ اور میں خود بخود چارپائی سے اترنے اور چڑھنے کے قابل ہو گیا۔ سیدنا حضرت اقدس کے حضور روزانہ رپورٹ عرض کی جاتی رہی اور حضور پرنور نے فرمایا۔ کہ مولوی صاحب کا علاج جاری رکھو احتیاط اور پرہیز لازمی ہے۔ ورنہ مرض کے عود کر آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ کوٹھڑی جس میں میں رہتا تھا۔ ایک طرف کو تھی۔ لہذا میں ایک روز خود ہی گرتا پڑتا مطب میں پہنچا۔ تاکہ زبانی ساری کیفیت عرض کرکے نسخہ میں تغیر کرا سکوں۔ نیز ایک خیال جو ایک دو روز سے بڑے زور کے ساتھ میرے دل و دماغ پر مستولی تھا عرض کرکے مفید ہدایت پا سکوں۔ وہ خیال یہ تھا۔ کہ قرآن کریم میں آتا ہے۔

وسکنتم فی مساکن الذین ظلموا انفسھم الآیۃ

اس آیت کے مفہوم کے مدنظر جہاں میں اندنوں رہتا ہوں مجھے خوف لاحق ہے جضرت مولوی صاحب نے یہ بات میرے مونہہ سے نکلی سنکر پیار سے ہاتھ بڑھایا۔ اور میری پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے مجھے اس جگہ کو چھوڑ کر اپنے مکان کے ایک حصہ میں چلے آنے کو فرمایا۔ اور ساتھ ہی کہا۔ کہ وہ جگہ بھی چھٹ جائیگی۔ اور مجھے عبادت کا بھی موقعہ ملتا رہے گا۔ واقعی یہ نکتۂ معرفت اور مقام خوف ہی۔ چنانچہ میں اُسی روز یا دوسرے تیسرے دن حضرت مولوی صاحب کے مکان میں آگیا۔ جہاں مجھے زیادہ آرام کے ساتھ علاج کی بھی زیادہ سہولت میسر آگئی۔ کیونکہ حضرت مولوی صاحب قریباً روزانہ ہی مجھے دیکھ لیا کرتے اور مناسب ہدایات دے دیا کرتے تھے۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ والدین اور بعض رشتہ داروں کے بار بار کے جائز و ناجائز اُن افعال سے تنگ آکر جو وہ میری واپسی کی کوشش کے ضمن میں کرتے رہتے تھے۔ میں نے والدہ محترمہ کو خاص طور سے خطاب کرکے ایک خط لکھا تھا جس پر والدہ مکرمہ نے متاثر ہو کر آئندہ ان طرق کے استعمال سے رک جانے اور مجھے میرے حال پر مست رہنے مگر خیر خیریت دیتے رہنے کی تاکید کی تھی۔ اور اس طرح وہ تکلیف دہ سلسلہ بند ہو کر خط و کتابت جاری ہو چکی تھی۔ مگر اس بیماری کے دوران میں کئی ماہ تک خط نہ پہنچنے کی وجہ سے والدہ صاحبہ کو گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے جلد جلد دو تین خط لکھے جن کے جواب میں میں نے کسی دوست کے ذریعہ اپنی بیماری کا حال لکھوا دیا اس خط کے پہنچتے ہی والدہ مکرمہ تن تنہا گھر سے چلکر بٹالہ پہنچیں اور راستہ میں سے ہی میرا حال دریافت کرنے لگیں۔ یکہ بان نے یا کسی سواری نے جو اسی یکہ میں آ رہی تھی۔ میری نازک حالت کا اُن سے ذکر کر دیا۔ جس پر والدہ نے وہیں سے رونا شروع کر دیا۔ اور سارے راستہ روتی ہی چلی آئیں۔ پوچھتی ہوئیں

گلی کوچوں میں سے گذر کر احمدیہ چوک میں پہنچیں۔ جہاں سے کسی بچہ سے پوچھا۔ اور نہ معلوم اس نے میری وہ پہلی قیامگاہ خالی دیکھ کر والدہ صاحبہ سے کیا کہہ دیا۔ کہ اُن کا رونا آہ و فغاں اور بَین کا رنگ اختیار کر گیا۔ اور اُن کے رونے چلّانے پر کئی لوگ اور لڑکے جمع ہو کر گریہ و بکا کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ اور آخر کسی نے ان کو میرے زندہ سلامت ہونے کی خبر سنا کر تسلی دلائی۔ اور میرے پاس پہنچا دیا۔

وہ آئیں اور مجھ سے لپٹ کر دل کا سارا ہی بخار انہوں نے نکال لیا جس کے نتیجہ میں فطرتاً مجھپر بھی رقت طاری ہوئی۔ اور کچھ دیر آنسوؤں کی چھما چھم بارش جاری رہی۔

والدہ محترمہ کم و بیش ہفتہ عشرہ میرے پاس رہیں۔ اُن کے قیام و طعام کا انتظام اُن کے حسب دلخواہ علیحدہ کر دیا گیا۔ اِس عرصہ میں انہوں نے خاص احتیاط، محنت اور توجہ سے میرا علاج کروایا۔ اور خوراک وغیرہ بھی حسب ہدایت حضرت مولوی صاحب رض وقت پر اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے مجھے کھلاتی پلاتی رہیں۔ اور اس طرح اُن کی وجہ سے میری طبیعت جلد جلد سنبھلنے لگی۔ وہ خاندانِ نبوت کی بیگمات سے بھی ملیں اور دوسری احمدی خواتین سے بھی خلا ملا رہا۔ جس کے نتیجہ میں وہ مانوس ہو کر خوش اور مطمئن رہیں۔ اور میری بیماری اور بیماری میں خبر گیری اور ہمدردی کے واقعات سُن سُن کر تو شکر گذاری کا جذبہ ان میں پیدا ہو گیا۔ اور وہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے خاندان کے ساتھ ہی حضرت مولوی صاحب رض اور اُن کے اہلبیت کی شکر گذار اور احسان مند ہوئیں۔ اِس خلا ملا سے جہاں اُن کے کئی قسم کے خوف اور غلط فہمیاں اطمینان سے بدل گئے وہاں میرے مربیوں اور محسنوں نے والدہ کی طبیعت اور دلی کیفیت کا مطالعہ کر لیا۔ اور اس طرح تعلقات باہم خوشگوار ہو گئے۔

میری حالت بہتر اور رو بصحت دیکھ کر والدہ نے اِس خواہش کا اظہار فرمانا شروع کیا۔ کہ میں چند روز اُن کے ہمرکاب وطن جاؤں۔ اور چونکہ میں بھی اب اُن کی طبیعت کا خوب اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا۔ کہ اب وہ بالکل بدل چکی ہیں۔ اور حالات وہ نہیں رہے جن کا مجھے اندیشہ تھا۔ میں نے اُن کی خوشی حاصل کرنے کی خاطر اُن کے ہمرکاب وطن چلے جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر ساتھ ہی عرض کیا کہ میں چونکہ اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ لہٰذا بہتر ہو کہ آپ سیدنا حضرت اقدس سے اس خواہش کا اظہار کر کے اجازت حاصل کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے میری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت کے حضور حاضر ہو کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور پر نور نے حضرت مولوی صاحب سے مشورہ کے بعد جواب دینے کو فرمایا۔ اور آخر میرے ساتھ شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی کو بھیجکر مجھے والدہ سمیت لائل پور پہنچا دیا۔ اخراجات سفر حضور نے اپنی جیب سے مرحمت فرمائے۔ اور تاکید فرما دی۔ کہ والدہ کی خوشی اور رضامندی کا خیال رکھنا۔ اور ایسا اچھا نمونہ دکھانا۔ کہ ان لوگوں کے دل بھی نیکی کی طرف مائل ہوں۔ کوئی بات مرضی کے خلاف بھی ہو۔ تو ان کی خوشی کو مقدم کرنا۔ اور تکلیف اٹھا کر بھی اُن کی دلجوئی کرنا۔ آپکی جدائی کی وجہ سے واقعی ان کو بہت صدمہ ہے۔ اور وہ قابلِ رحم ہیں پس ان کی خدمت اور فرمانبرداری کر کے اِن کی تکلیف کا ازالہ کرنے کی کوشش ضرور کرنا۔ اور جب وہ خوشی سے اجازت دیں واپس آجانا۔

اِس طرح میری والدہ مجھے اپنے ساتھ لیجا کر ایسی خوش تھیں۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ سارے رنج و غم جو اس عرصہ میں انکو پہنچے تھے۔ آج کافور ہو گئے۔ اور وہ روتی ہوئی قادیان آئی تھیں۔ مگر خدا نے ہنسی خوشی انہیں واپس جانا نصیب کیا۔ والد صاحب بھی پہلی مرتبہ مجھے لیکر گئے تھے اور سیدنا حضرت اقدس ع کی اجازت بلکہ حکم سے لیکر گئے تھے۔ اور آج والدہ محترمہ بھی مجھے لیجا رہی ہیں۔ اور وہ بھی حضور ع کی اجازت ہی سے لیجا رہی ہیں۔ مگر ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق اور بُعد المشرقین تھا۔

بٹالہ سے چلکر لاہور گاڑی بدلتی تھی۔ جہاں اتنی بھیڑ اور رش تھا۔ کہ الامان الحفیظ، والدہ اور میں تو گاڑی میں سوار ہو گئے۔ مگر شیخ احمد دین صاحب رہ گئے۔ اور بمشکل دوسرے روز لائل پور پہنچے۔ سامان وغیرہ جو ان کے ساتھ پیچھے رہ گیا تھا پہنچا کر وہ اپنے وطن ڈنگہ ضلع گجرات چلے گئے۔ اور میں اپنے بھائی بہنوں سمیت اُسی چک (چک نمبر ۹۷) متصل لائل پور میں رہنے لگا۔ جہاں میرے وہ بزرگوار رسالدار چچا صاحب رہتے تھے جن کا واقعہ اوپر آ چکا ہے۔

والدہ نے مجھے اپنے گھر میں رکھا۔ اور ہمت مردانہ سے رکھا۔ برادری کا خوف کیا نہ کسی طعن کی پرواہ کی۔ نہ صرف یہی کہ خود ہی مجھے کبھی میرے مذہب کے خلاف کچھ کہا یا میرے کسی عمل کو ناپسند کیا۔ بلکہ کسی رشتہ دار یا پڑوسی تک کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ طبیعت میری ابھی کمزور تھی۔ مناسب علاج اور غذا سے نہایت ہی شفقت اور محبت سے میری پرورش کی اور بڑے اہتمام سے میری ضروریات کا خیال رکھا۔ نمازیں گھر میں پڑھا کرتا تھا۔ کبھی بُرا منایا نہ پیشانی پر بل آنے دیا۔ بلکہ جگہ وغیرہ کا انتظام خود فرما دیتیں اور مناسب امداد خوشی سے فرماتیں۔ اسی سفر میں عید الضحیٰ مجھے آئی۔ تو قربانی کا انتظام بھی کرا دیا۔ اور خوشی سے کھایا کھلایا اور چونکہ اس زمانہ میں ابھی ہماری نمازیں غیر احمدیوں سے جدا نہ ہوئی تھیں گاؤں کی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کیلئے خوشی سے اجازت دی۔ اس طرح کم و بیش ڈیڑھ ماہ میں اُن کے پاس رہا۔ والدہ محترمہ اور میرے بھائی بہنوں نے مجھ سے نہایت عزت و محبت کا سلوک کیا۔ اور کبھی بھی کوئی ایسی بات نہ ہونے دی۔ کہ میں اُسے ناپسند کرتا۔

والد صاحب بزرگوار اُن ایام میں وہاں نہ تھے۔ بلکہ میرپور چونکہ علاقہ ریاست جموں میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے اور اُن کو بھی میرے یوں گھر آنے کی اطلاع ہو چکی تھی۔ مگر انہوں نے بھی میری اِس آمد کو بُرا نہ منایا۔ بلکہ خوشنودی اور پسندیدگی کی نظر ہی سے دیکھا۔ اور اس طرح مسلمان رہتے ہوئے میرے تعلقات اپنے والدین سے نیاز مندانہ اور والدین کے مشفقانہ ہو گئے۔ اور میرے آقائے نامدار کی زبان مبارک پر جو یہ مقولہ "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" کبھی کبھی دورانِ تقریر میں جاری ہونے کی عزت پایا کرتا تھا۔ اپنی تاثیر اور پھل کے لحاظ سے صادق ہو کر نمودار ہو گیا۔ فالحمد للہ

اس طرح ایک لمبے عرصہ کی کشمکش اور شیطانی نزع سے طرفین کو نجات ملی۔ اور حضور پُرنور ع کی توجہات کریمانہ سے بچھڑے ہوئے مِل بیٹھے۔ اور وہ خلیج جو میرے اور میرے والدین اور رشتہ داروں میں دن بدن بڑھتی اور حائل ہوتی جا رہی تھی برسیل یزدانی، غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انفاس قدسیہ کی طفیل پھر سے پاٹ کر یک جان کر دی گئی۔ اور اِس طرح

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

شیطان مایوس ہوا۔ اور رحمت الٰہی کے فرشتے غالب ہو گئے اور بولو "مرزا غلام احمد کی جے" کے نعرے بلند ہونے لگے جس سے فضا گونج اٹھی۔ اور کرشن جی مہاراج کی سُریلی بنسری سے اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وّ اٰل محمّدٍ وّ بارک وسلّم کا سُر ملا گیت گایا اور الاپا جانے لگا۔ الحمد للہ، الحمد للہ ثم الحمد للہ

اِس سفر کے دوران میں والدہ مکرمہ نے جہاں اپنی مساعی کے تفصیلی اذکار سنائے۔ وہاں یہ بھی بتایا۔ کہ انہوں نے تعویذ گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے کرنے میں بھی کوئی کسر نہ رکھی۔ ملاں ملانے اور سادھو جوگی جو بھی آیا۔ اس کے سامنے اپنا رونا رو دیا۔ اور پھر جو کچھ بھی کسی نے بتایا۔ مہیا کرنے کی کوشش کی۔ خرچ سے دریغ کیا نہ دوڑ دھوپ میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا سفید بے داغ مرغ پر وظیفہ پڑھنے والوں کے لئے سفید مرغوں کی تلاش کی۔ اس سے مختلف رنگ ہیں دم درود کرنے والوں کے حسب منشا سامان جمع کئے۔ الٹے چرخے چلایا کئے اور الٹی چکیاں پھرایا کیں۔ بعض کو تو مہینوں بٹھا بٹھا کر چلّے کٹائے۔ مگر بنا کچھ بھی نہ۔ آخر ہار کر بیٹھ گئے۔ تھک کر رہ گئے اور یہ یقین کر لیا۔ کہ یہ باتیں سبھی بے اثر اور محض کھانے کے حیلے تھے۔ ورنہ اگر ان چیزوں میں کچھ بھی اثر ہوتا۔ تو کیوں نہ ہماری مشکل حل ہوتی۔ جتنا خرچ ہم نے اٹھایا جتنی سرگرمی ہم نے کی جتنے پیر فقیر، مُلّا ملانے اور جوگی سادھو کیا ہندو کیا مسلمان ہم نے منائے۔ ان کی کوئی انتہا نہیں۔

اچھا ہم اپنی قسمت پر خوش اور پرماتما کی مرضی پر راضی ہیں۔ ہوتی تھی سو ہو کر رہی۔ اب اُس سے لڑا نہیں جا سکتا۔

قریبًا عرصہ ڈیڑھ ماہ میں اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں رہنے کے بعد آخر اُن کی اجازت اور اذن اور اُن کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے واپس دارالامان آ گیا۔ اور اس طرح اب میرے لئے بھی اور والدین کے واسطے بھی آمد و رفت کا راستہ کُھل گیا۔ اور باوجود اختلاف عقائد اور مذہبی منافرت کے میل ملاپ اور باہمی تعلقات اُس زمانہ سے ایسے خوشگوار ہو گئے۔ کہ میں بھی گاہ گاہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا اور خدمات بجا لاتا رہا۔ اور والدین اور بھائی بہنیں بھی اکثر میرے پاس آتے اور ملتے ملاتے۔ بلکہ بعض اوقات مہینوں میرے پاس آ کر ٹھہرا کرتے رہے۔

لائل پور سے واپسی پر بعض دوستوں کی زبانی معلوم ہوا کہ عید اضحیٰ کے موقعہ پر یا اس کے ادھر اُدھر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تکیہ جسنا پر جہاں اُس

زمانہ میں عموماً عیدین اور نماز جنازہ ہؤا کرتی تھی۔ کوئی جنازہ پڑھایا جس کو ہم نے تو تمہارا جنازہ سمجھ کر پڑھا۔ اور دعائیں کی تھیں۔ میں چونکہ بیماری کی حالت ہی میں قادیان سے گیا تھا عام اطلاع نہ ہونے کے باعث بعض دوستوں کو یہی خیال گذرا۔ کہ عبدالرحمٰن فوت ہو گیا۔ اور اسی خیال کے غلبہ میں انہوں نے میرا ہی جنازہ پڑھا۔ مگر اللہ کریم نے اپنے فضل سے زندہ سلامت مجھے قادیان پہنچا کر حضرت اقدس کے قدوم میمنت لزوم میں لا ڈالا۔ (خواہش ہے۔ آرزو اور دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے فضل سے انجام بخیر فرمائیں۔ اپنی رضا کا عالی مقام بخش کر حقیقی اسلام پر رکھتے ہوئے اپنی طرف بلائیں. اور اپنے پیارے اور خاص الخاص بندوں میں شامل کریں آمین)

اور پھر ایسا فضل کیا۔ اتنی ذرّہ نوازی فرمائی۔ اور ایسی عزت و سعادت بخشی۔ کہ حضور پُر نورؑ سے کبھی جُدا نہ کیا۔ آخری سفر یعنی سفر لاہور میں بھی ہمرکابی کی عزت بخشی اور توفیقِ رفیق فرمائی۔ کہ جی کھول کر خدمت کروں۔ اور اس کے فضلوں سے جھولی بھر لوں۔ چنانچہ میرے آقا نے بھی مجھے نوازا اور اتنا نوازا کہ ہر موئے بدن اُن احسانات کے بار تلے جھکا اور سرِ تسلیم خم کئے ہے۔ ان الطاف کریمانہ اور نوازشات شاہانہ کی یاد دل کے ہر گوشہ میں تازہ اور جوشِ عقیدت و نیاز مندی میں وفا کی تمنّا سے لبریز خون کو پانی کی طرح بہا دینے پر کمربستہ و تیار دیکھتا ہوں۔ ع۔ این است کام دل اگر آید میسّرم

دھوکا خوردہ ہوگا وہ انسان اور شیطان کی زد کے نیچے ہوگا وہ بدقسمت شخص جو خدا کے کسی فضل یا انعام کو، اس کی کسی رحمت یا احسان کو اپنے کسی عمل کا نتیجہ، کوشش کا ثمرہ یا جدو جہد کا پھل سمجھ کر اکڑنے اور اترانے لگے۔ اور بجائے اس کے کہ شکر نعمت کیلئے سجدات میں گر کر اپنے نفس کو پچھاڑے، خودی و خود ستائی کو چھوڑ کر اپنے اوپر ایک ایسی موت وارد کرے اور اس کی مرضی کے سامنے یوں گردن ڈال کر اپنے آپ سے اسطرح کھویا جائے۔ کہ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ کا مقدس مقام اُسے میسّر آجائے۔ اور خدا کے عرفان میں ترقی کر جائے۔ اُلٹا ابٰی و استکبار کرے، احسان فراموش بنے اور محسنِ حقیقی سے اس طرح دور و مہجور ہو جائے۔

خدا کی عطا کو اپنی کرتوت کا پھل سمجھنے والا بیوقوف بجائے مقرب ہونے کے ملعون اور بجائے مقبول ہونے کے مردود ہوگا۔ اور اس ذات والاصفات کی موہبت اور بخشش کو اپنی کمائی کا نتیجہ سمجھنے والا خود پسند اور نفس پرست کبھی اس کی چوکھٹ تک بھی رسائی نہیں پا سکتا۔ ؎

وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اس کی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو

خدا کی کبریائی، جبروت اور عظمت، اس کی عزت جلال اور شوکت، اس کا کمال سطوت اور ہیبت جن مقدس ترین ہستیوں پر ظاہر ہو کر جلوہ گر ہؤا۔ اور چمکا۔ وہ تو باوجود باکمال اور مظہر جمال و جلال ہونے کے بے اختیار پکار اُٹھے ؎

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اور چونکہ عارفین و کاملین کا یہ اعتراف حقیقت پر مبنی، اُن کے دل کی گہرائیوں کا آئینہ دار اور ہر قسم کی بناوٹ اور ریا کی ملونی سے کلیۃً منزہ تھا، علام الغیوب اور رازداں ہستی نے اُن کے دلوں کو جھانکا اور اُن کے اندرونۂ دل کی نہاں در نہاں کیفیتوں پر نظر کر کے خود اپنے ہاتھ سے اُن کو اٹھا کر نوازا اور

"انت وجیہٌ فی حضرتی اخترتک لنفسی"

کا خطاب دیا۔ اور اسطرح دنیا جہان کیلئے ایک اسوہ قائم کر کے یہ عقدہ حل فرما دیا۔ کہ

جو میرے لئے موت اختیار کرتے ہیں میں ان کو ایسی
حیات بخشتا ہوں جس کے بعد پھر موت نہیں۔

اور

جو میرے لئے ذلّت قبول کرتے ہیں۔ میں اُن کو ایسی عزت
عطا کرتا ہوں جس کے بعد کوئی ذلت نہیں۔

غرض خدا کی کسی نعمت کو بھی چھوٹا سمجھ کر غفلت کرنا اور شکر نعمت میں ہر وقت سرشار نہ رہنا۔ ایک روحانی موت کا مقام ہے، اور اس کی کسی عطاء، انعام اور دَین کو اپنے کئے کا پھل، محنت کی کمائی یا علم و ہنر کا نتیجہ سمجھ لینا یقیناً بدنصیبی اور محرومی کا مترادف ہے۔ میں نے جو کچھ بھی لکھا۔ اور ظاہر کیا۔ کانپتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ڈرتے ڈرتے خدا کی بے نیازی اور نکتہ گیری سے کانپتے کانپتے کیا ہے۔ ورنہ "من آنم کہ من میدانم" والی بات ہے۔ کہاں میں کہ کفر و شرک کے اتھاہ گڑھے اور ظلمت و ضلالت کے بے پناہ سمندروں میں غرق، کہاں یہ فضل کہ نورِ ایمان عطا فرمایا نعمتِ اسلام بخشی۔ اور ایسا نوازا، ایسا نوازا کہ اس بزرگ و برتر ہستی کے قدموں میں لا ڈالا جس کی زیارت کیلئے لاکھوں نہیں کروڑوں صلحاء اور اولیاء امت ترستے ہی ترستے کوچ کر گئے یہ فضل۔ یہ کرم۔ یہ ذرہ نوازی یقیناً اور یقیناً سراسر احسان۔ سرتاپا فضل اَور ابتداء تا انتہا موہبت اور بخشش ہی کا رنگ رکھتی ہے جس کیلئے میری روح آستانۂ الوہیت پر سربسجود ہے۔ اور اگر ہمیشہ ہمیش بھی اسی طرح پڑی رہے۔ تو شکر نعماء تو درکنار کسی ایک بھی نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوگی۔

خدا اپنے فعلوں کیلئے پوچھا نہیں جا سکتا۔ لا یُسئل عمّا یفعل وھم یُسئلون۔ میں نہیں جانتا کن باریک در باریک مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت اللہ کریم نے میرے آقا فداہ روحی کی زبانِ فیض ترجمان پر وہ الفاظ جاری فرمائے تھے کہ

"ہمارا ہے تو آجائے گا"

اور پھر خطرناک سے خطرناک مشکلات اور بدترین حالات میں سے خود اپنے دستِ قدرت و شفقت سے نکال کر مجھے حضورؑ کے قدموں میں لا ڈالا۔ اور ایسا رحم کیا۔ کہ پھر کبھی بھی جدا نہ ہونے دیا۔ حتّٰی کہ جب حضورؑ کو وصال کی تیاری کا فرمان ملا۔ اور رحلت کا یقین ہو گیا۔ اسوقت بھی حضور نے ذرہ نوازی فرمائی۔ اور نام لیکر یاد فرمایا۔ اور حافظ حامد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے جو اسوقت پہرہ پر تھے مجھ ناکارہ غلام کو باریابی کی عزت بخشی۔ رات بھر بلکہ اسوقت تک جب حضورؑ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ کے وصال کیلئے بیقرار ہو کر پرواز کر گئی۔ مجھے خدمت اور قرب کا فخر عطا فرمایا۔ اور اس طرح اپنا بنا لینے کے بعد حضورؑ نے مجھے نہ چھوڑا۔ اور نہ جدا کیا۔ میری بدقسمتی کہ دردِ دل اور خونِ جگر کھانیکو پیچھے رہ گیا۔ اور مجھ سے حقِ رفاقت ادا نہ ہو سکا۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

یہ حالات بہت ہی درد انگیز اور رقت آمیز ہیں۔ اُنکا لکھنا اور بیان کرنا کچھ آسان نہیں۔ کیونکہ اُن کے تصور ہی سے دل پھٹنے اور کلیجہ مونہہ کو آنے لگتا ہے۔ اور وہ ایسے غمناک اور دلخراش واقعات ہیں۔ کہ بھاری مجاہدہ اور دل پر پتھر باندھ کر ہی لکھے یا بیان کیئے جا سکتے ہیں۔ دوسری طرف اس سفر کے برکات میں سے جہاں علم و عرفان کے خزانے، روحانیت و معرفت کے بے بہا موتی، خدا کی قدرت و جلال کے معجز نما اور خارق عادت کرامات و آیات موجود ہیں۔ وہاں حضور پُر نورؑ کے بینظیر اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ حمیدہ کے علاوہ حضورؑ کے حسن و احسان کی بے انتہا مثالیں اور زندہ نمونے بھی کثرت سے قابل ذکر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ

اخلاقی کمال کا بلند معیار

جو خدا کے راستباز انبیاء اور مرسلین کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ودیعت کیا جاتا ہے۔ باقی تمام معجزات، خوارق اور کرامات سے ممتاز اور ناقابل تردید معجزہ اور ثبوت ان کی صداقت کا ہؤا کرتا ہے۔ علمی معجزات و کرامات بلکہ غیب پر مشتمل ناقابل انکار پیشگوئیاں یا قبولیت دعا اور شفاء امراض کے خوارق کے دائرہ میں منکروں کے لئے تاویلات کا میدان وسیع اور عذرات کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مگر نہیں انکار کیا جا سکتا نہیں تاویل کی جا سکتی اور ناقابل انکار صداقت یا دلوں پر تصرف کر لینے والی مقناطیسی جذب کا خزانہ نہیں تو وہ اخلاقِ فاضلہ ہی ہیں جو تخلقوا باخلاق اللہ کی صحیح تفسیر ہو کر دنیا جہاں کے لیئے اخلاقی معیار کے پرکھنے کی سچی کسوٹی ہوتے ہیں۔ حضورؑ کی طرف سے تکمیل تبلیغ اور اتمام حجت کی ساعی کے علاوہ خود حضورؑ کا ذات باری تعالےٰ پر غیر متزلزل ایمان اس کی وحی پر کامل اور پختہ یقین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات والاصفات سے حقیقی عشق اور سچی محبت کیساتھ کامل اطاعت اور ایسی پوری پیروی کہ جس کے ذریعہ سے آپ خود اُن فیوض و برکات کے مورد بنے جو سرور دو جہاں میں تھے۔ یہ اور ایسے اور بہت سے لطیف مضامین ہیں جن میں سے ہر ایک جدا باب بلکہ علیحدہ کتاب کا محتاج ہے۔ اللہ تعالےٰ جس کو اور جس وقت اس خدمت کی سعادت نصیب کرے گا۔ خود روح القدس سے اس کی تائید و نصرت فرمائے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

اس موقعہ پر ایک امر جس کے لیئے میرے دل میں جوش اور سینے میں درد رہ رہ کر اٹھتا ہے ظاہر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ یہ ہے۔ کہ

بھارت نواسیوں اور ہندو جاتی کے سارے ہی
سپوتوں خصوصاً موہیال متروں اور بزرگوں کے نام

ایک اپیل۔ ایک دردمندانہ اپیل لکھ کر دل کی لگی بجھا لوں اور قلبی خلش مٹالوں۔ تا مجھ پر بخل کا الزام نہ آئے نہ صداقت و راستی کے آئیمات کو چھپائے رکھنے کے جرم میں پکڑا جاؤں۔

ایک دردمندانہ پکار

اے میرے قومی بزرگو! اور خون کے شریک بھائیو!!! اور اے میرے پیارے بچھڑے ہوئے ہندو جاتی کے نونہالو!!! سنو اور توجہ سے سنو! غور کرو اور گہری غور کرو! اور ایک دردمند دل کی پکار پر کان دھرو۔ کہ وہ آپ کو نہایت ہی محبت بھرے دل، پریم بھرے ہردے، اور گداز شدہ قلب سے اُس پرماتما کے نام سے پکارتا ہے جس کے نام پر آپ لوگ تن، من، دھن سبھی کچھ نثار و نچھاور کر دینے کو دوجہان کی سعادت اور حقیقی عزت یقین کرتے ہو۔

میرے ہندو! خونی بھائیو! اور بھارت ماتا کے سپوتو!!! اگر آپ کو خیال ہو۔ کہ کبھی اس دنیا میں سچے پریم و محبت بے ریا و اخلاص و اخوت اور حقیقی خیرخواہی صحیح ہمدردی و مودت اور دردمندانہ غمگساری، خیر اندیشی و خیر سگالی کے جذبہ کا مظاہرہ ہوا ہے۔ تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ اور یقین دلانے کا جو بھی طریق ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کو استعمال کرتے ہوئے یقین دلاتا ہوں۔ کہ

میرا یہ کمزور و ناتوان مگر دردمند دل
میرا یہ بے قرار و پریشان مگر سچا ہمدرد قلب

اُن جذبات سے نہ صرف یہ کہ خالی و کورا نہیں۔ بلکہ آپ کی محبت و ہمدردی کے جذبات سے لبریز، آپ کی خیر اندیشی و خیر سگالی کے جوش سے موجزن، اور آپ کی بہتری و بہبودی اور سُود و بہبود کے خیالات سے شعلہ زن ہے۔ اور میں مدتوں سے محبت و پیار اور اخلاص و ایثار کے جذبات کا شکار ہوتا چلا آ رہا ہوں۔ ایک خلش ہے جسکو میں اب دبانے کے قابل نہیں رہا۔ ایک جلن ہے جسکو چھپانے کی اب مجھ میں تاب نہیں مدتوں سے اس سٹیم کو دبائے چلا آ رہا تھا۔ جسم میں خون تھا۔ بدن میں طاقت تھی جوانی تھی۔ اور صبر و برداشت کی ہمت تھی۔ مگر اب بڑھاپے ضعف و ناتوانی نے سبھی کچھ لے لیا ہے۔ اور میں واقع میں اب ایک کمزور و ناتوان اور نحیف و ضعیف البنیان انسان ہوں جس کی وجہ سے وہ سٹیم اب نہ سنبھالے سنبھلتی ہے نہ بجھائے بجھتی ہے۔ موت کو سامنے دیکھتا ہوں۔ خدا کے حضور حاضری کا یقین رکھتا ہوں۔ اسی لئے ڈرتا ہوں کہ

اس کے نام اور اس کی صداقتوں کو چھپائے
رکھنے اور اس کے نور کو صرف اپنے ہی
سینہ و دل میں دبائے رکھنے کی وجہ سے

قابلِ مواخذہ نہ ٹھہروں۔ بخل کا مجرم نہ گردانا جاؤں۔ آپ لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کے خیال اور اپنے فرض کی ادائیگی کی نیت سے چند سطور عرض کرتا ہوں۔

افسوس میں کوتاہ قلم ہوں۔ اتنا کہ اپنے خیالات کے اظہار سے بھی قاصر ہوں۔ کوتاہ بیان ہوں ایسا کہ مافی الضمیر کے بیان سے عاجز ہوں۔ مجھے نہ الفاظ ملتے ہیں نہ قلم میں طاقت ہے۔ ورنہ مضغۂ دل کو نکال کر کاغذ پر دھرتا۔ اور پھر آپ سے اپیل کرتا جو کبھی خالی نہ جاتی۔ اور ایسا تیر چلاتا۔ جو کبھی خطا نہ ہوتا۔ مجبوراً ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور بھدّی سی زبان میں جو کچھ عرض کروں توجہ دیں۔ اور لفظوں کی بجائے غرض و غایت اور روح و مقصود کو مدنظر رکھیں۔

(۱) پیارے بھائیو! آپ جانتے ہیں۔ کہ اس ظاہری نظام عالم کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا نظام بھی جاری و ساری ہے جس کو اس کی لطافت و نزاکت کے مدنظر عالم روحانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور گو ان دونوں عالموں میں کیفیت و کمیت کے لحاظ سے باہم کوئی نسبت نہیں۔ مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ دونوں عالم ایک نظام کے ماتحت اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو ایسے انطباق اور مناسبت سے چلے جا رہے ہیں۔ کہ عالم ظاہر سے عالم روحانی پر قیاس کرنے والے مقدسین فقہاء نے کبھی کوئی غلط قیاس کیا نہ کوئی غلط قدم اٹھایا ہے۔ اور چونکہ یہ دونو عالم ایک ہی ذات والاصفات سے صادر ہوئے ہیں۔ لہٰذا دونو کا ایک ہی طرز و طریق پر واقع ہونا لازمی تھا۔ تاکہ دونو ملکر اپنے صانع و خالق کی ہستی پر دلالت کریں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ آپ لوگوں کو بھی اس نظریہ میں میرے ساتھ کلّی اتفاق ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں۔ کہ دنیا میں کسی کو بھی اس حقیقت سے انکار نہ ہو گا۔ کہ جب جیٹھ تپتا ہے۔ اور دھوپ تیزی دکھاتی ہے۔ گرمی بڑھتی ہے۔ زمین خشک ہو جاتی ہے۔ ڈھاب تالاب تو درکنار کنوئیں، چشموں تک کے پانی خشک ہونے لگتے ہیں۔ گھاس پات اور ہر قسم کی نباتات سوکھنے جلنے لگتی ہے چرند پرند اور درند تک خوراک کی کمی، پانی کی قلت اور گرما کی شدت سے مرنے لگتے ہیں۔ انسان و حیوان سے لیکر حشرات الارض تک جو زمین کی گہرائیوں میں رہتے۔ اور بنوں۔ جنگلوں کے آزاد وحوش بلکہ زمین و آسمان میں بے تکلف تیرنے اور اُڑنے والے پرند، غرضیکہ خدا کی ساری ہی خدائی آسمان کی طرف دیکھتی اور مونہہ کھول کھول کر زبان حال و قال دونو سے اس جسمانی زندگی کے بقاء کے لیئے جسمانی پانی مانگتی ہے تو

خدا کی رحمت جوش میں آتی۔ اس کی محبت موجزن
ہوتی اور دنیا جہان کی پکار کو سنکر بارانِ رحمت
نازل فرماتی۔

اپنی مخلوق کی بھوک پیاس مٹاتی۔ اور مردہ زمین، جلی سڑی دھرتی کو ایک نئی زندگی دیکر پھر تازہ و سرسبز و شاداب کر دیتی ہے۔ اور اس طرح خدا کی ساری مخلوق علیٰ قدرِ مراتب اپنے اپنے ظرف اور ضرورت کے مطابق اس سے فیض پاتے، سیر ہوتے ہوئے خدا کی حمد کے گیت گاتے، خوشی سے چہچہاتے اور جدا جدا بھی مل مل کر بھی اپنے خالق و مالک کی تسبیح اور ثنا و ستائش کے راگ الاپنے لگتے ہیں کیونکہ اس نے عین ضرورت کے وقت اپنی مخلوق کی پکار سُنی۔ اس کی فریاد کو پہنچا۔ اور اس کی حاجت براری فرمائی۔ اور

یہی تو اس کی خدائی ہے

کہ جہاں اس نے حق و حکمت سے دنیا و جہان کو بنایا۔ وہاں اُسکو یونہی چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ ہر زمانہ میں اس کی حقیقی ضروریات کے مدنظر اس کے طبعی خواص، فطری جذبات اور خلقی قویٰ کی پرورش اور ربوبیت کے سامان بھی میسّر فرمائے ہیں۔

بعینہٖ اسی طرح میرے مہا پُرشو! بالکل بالکل اسی طریق و نہج پر میرے سجنو!! جب دنیائے روحانیت میں قحط اور خشک سالی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ جب مخلوق اپنے خالق و مالکِ حقیقی سے غافل ہو کر پاپ اور گناہ کی زندگی سے پیار کرنے لگتی ہے۔ اور خدائے واحد و یگانہ کی جگہ اس کی ادنیٰ اور ذلیل مخلوق کو دی جانے لگتی ہے۔ پرم پرماتما کی روحانی تعلیم اور ایشری گیان کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے دنیا کی کشتی گناہ و معاصی کی ظلمات کے گرداب میں پڑ کر غرق ہونے کو ہوتی ہے۔ جب دنیا میں عدل و انصاف کی بجائے ظلم و تعدی اور امن و آشتی کی جگہ عناد و فساد لے لیتے ہیں۔ جب دھرم کی جگہ ادھرم اور ست کی جگہ اَست زور پکڑنے لگتا ہے۔ اور نیکی و پُن کی جگہ بدی اور بدکاری جیسے اخلاق رذیلہ کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اکاش بانی اور آسمانی پانی کے نزول میں لمبا وقفہ ہو جانے کی وجہ سے روحانی پانی گدلے اور انسانی دست بُرد کی وجہ سے ناصاف ہو جاتے ہیں۔ مرورِ زمانہ کی وجہ سے الٰہی فرمان اور سماوی پرمان کی حقیقت اوجھل ہو کر مغز چھٹ کر صرف قشر ہی قشر پر قناعت ہونے لگتی ہے۔ اور ہوتے ہوتے ایسا زمانہ آ جاتا ہے۔ کہ ہر طبقہ اور ہر رتبہ کے انسان، ہر مذہب اور ہر خیال کے لوگ، ہر فطرت اور ہر درجہ کی مخلوق زبان حال اور زبان قال دونو طرح سے

پکار اُٹھتی ہے۔ اور چلّا چلّا کر آسمانی پانی

اور روحانی مائدہ کے لئے مونہہ کھول کھول کر جھولی پھیلا پھیلا کر، دامن بڑھا بڑھا کر، اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر التجائیں کرنے لگتی ہے۔ کوئی زمانے کی خرابیوں سے تنگ آکر روحانیت کی تلاش اور صداقت کی پیاس میں تڑپتے ہوئے یوں گویا ہے۔

> "جب میں یہ نظارہ دیکھتا ہوں۔ تو میری آنکھیں جو لاکھوں برس پیچھے کے بھارت درش کو دیکھ رہی تھیں۔ موجودہ زمانہ کی طرف واپس آجاتی ہیں۔ لاکھوں برس پہلے جن راکھشوں کو رامچندر نے بگایا تھا۔ وہ آج اتنے بڑھ گئے ہیں۔ کہ آگے پیچھے دائیں بائیں وہی دکھائی دیتے ہیں۔ گھر گھر میں دویش کی اگنی جل رہی ہے۔ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو کھا رہے ہیں۔ راجوں کے سنگھاسن ہل رہے ہیں۔ غریبوں کی جھونپڑیاں اکھڑ رہی ہیں۔ نہ بادشاہوں کے دل میں چین ہے۔ نہ مفلس کو اطمینان قلب حاصل ہے۔ خود غرضی اور آرام طلبی کا راجیہ ہو چکا ہے دوسروں کا خون چوس کر اپنے جسم کی پرورش کرنے کا جذبہ پورے جوبن پر ہے۔ فساد کی آگ روشن ہے۔ ویبھچار کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ جھوٹ فریب

> اور مکاری کی اگنی میں لوگ دگدھ ہو رہے ہیں۔ ...... غرضیکہ راکھش بھاوؤں نے دنیا کو ایک عالمگیر اگن کنڈ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور بھارت ورش تو خاص طور پر بہشت کی جگہ دوزخ بن چکا ہے۔" (ملاپ ۸ر نومبر ۱۹۳۱ء)

ایسے وقتوں میں اور ان احساسات کے پیدا ہو جانے پر جو انسانی اضطرار و اضطراب کی انتہائی کیفیت کے مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت اور صفتِ ربوبیت جوش میں آتی اور انزال رحمت کے ذریعہ سے روحانی پیاسوں کی سیرابی اور مردوں کی حیاتِ ابدی کا ذریعہ بنتی ہے۔ صداقت و راستی کے متلاشی، خدا کی معرفت کے طالب اور اس کی محبت کے بھوکے سیری حاصل کرتے، اطمینان پاتے اور منزل مقصود کو پہنچتے ہیں، اور ایسے انتظار اور بے قراری کے وقتوں میں آنے والے اوتار یا خدا کے برگزیدہ رسول جو سراسر رحمت بن کر آتے اور پیکرِ صدق و سداد و راستی ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔

گو خدا تو نہیں ہوتے مگر خدا نما ضرور ہوتے ہیں۔ اور خدا تک پہنچنے کی سیڑھی صرف وہی وجود ہوتے ہیں"

وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب بنتے اور ہلاکت و فلاکت کے ظلمات سے نکال کر دنیا کو اوج سعادت پر پہنچاتے ہیں۔ وہ مجسمۂ اخلاق ہوتے ہیں۔ ایسے کہ دنیا و جہان کے لوگ ان کے قدم بقدم چلکر اُن کے نمونہ کی پیروی کر کے روشنی و صداقت کے بلند مینار بن سکتے ہیں۔ وہ پاپ کو مٹاتے، ظلم کو ہٹاتے اور صداقت و راستی اور عدل و انصاف امن و اطمینان کو قائم کر کے

> خدا کا حق خدا کو اور مخلوق کا حصہ مخلوق کو دلاتے اور اسی طرح حقیقی توحید، سچی مساوات اور کامل رواداری قائم کرتے ہیں۔

میرے واجب الاکرام بزرگو! دوستو اور بھائیو!! میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ آپ لوگ قدیم مہاپرشوں۔ رشی۔ منی مہاتماؤں کی اولاد ہو۔ اور آپ بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ کہ ایشر کا قدیم ترین گیان۔ جو کسی کو ملا وہ آپ ہی لوگوں کے باپ دادا اور بزرگ تھے۔ اور خدا کی اس نعمت پر جتنا بھی فخر کریں۔ آپ کو حق پہنچتا ہے۔ کیونکہ آپ لوگ خدا کی قدیم اور بالکل ابتدائی رحمت کے حاملین کی نسل ہیں۔ مگر

میرا آپ سے ایک سوال ہے؛

نہایت محبت اور اخلاص کی نیت سے۔ پورے پیار اور پاس ادب سے ایسا جس میں کوئی گستاخی ہے۔ نہ طعن سراسر خیر اندیشی کی نیت سے کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ

کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ کہ زندگی کی وہ روح اب بھی ان چیزوں میں قائم اور موجود ہے؟ جسکا آپ کو دعویٰ ہے۔ کہ ابتدائے آفرینش کے وقت اس ایشری گیان میں پائی جاتی تھی؟

"نہیں اور ہرگز نہیں"۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ آپ اگر دیانتداری سے جواب دیں گے۔ واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے بغیر کسی پکش پات کے بات کہیں گے۔ تو یہی آپ کا جواب ہوگا۔

کیونکہ خود آپ لوگوں کو اقرار ہے۔ کہ زندگی کی وہ روح جو ان تعلیمات کے نزول کے وقت تھی۔ اب موجود نہیں۔ ورنہ بھارت ورش کی وہ حالت نہ ہوتی جو معزز ایڈیٹر صاحب ملاپ نے موجودہ زمانہ کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے اخبار ملاپ ۸ر نومبر ۱۹۳۱ء میں بیان کی ہے۔ اور اگر حقیقت یہی ہے، تو ایک چیز کو محض اس خیال سے گلے لگائے رکھنا۔ کہ وہ قدیم ترین اور پُرانی ہے۔ حالانکہ وہ روح حیات اور آثار و علاماتِ زندگی سے خالی و معرا ہے کہاں کی عقلمندی ہے؟

میرے معزز ہندو بھائیو! میں محض برادرانہ رنگ میں آپ کے قلوب کو اپیل کر رہا ہوں۔ بحث و مباحثہ کی طرح ڈالنا مقصود نہیں۔ کیونکہ وہ راہ محبت و مودت کی بجائے بغض و عداوت کے جذبات کو ابھارتی اور بڑھاتی ہے۔ لہٰذا میں بغیر لمبے چوڑے دلائل و براہین کے انبار جمع کرنے کے بالکل سیدھی اور صاف بات آپ کے سامنے رکھتے ہوئے انصاف آپ ہی لوگوں پر چھوڑتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ آپ ضرور خلوص نیت اور صدق طویت سے غور فرما کر حق و حقیقت پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

آپ کے عالم و دانا لوگوں کا طریق عمل اور ندا و پکار خود اس بات پر گواہ ہیں۔ کہ آپ لوگ زمانہ کی خراب و ابتر حالت سے تنگ آکر منتظر ہیں۔ اور نہایت ہی بے تابانہ و والہانہ رنگ میں تازہ ایشوری گیان اور کرشن بھگوان کی آمد کے لئے چشم براہ ہیں۔ سُنیئے اور توجہ سے پڑھیئے اور پھر صدق و صفا کو دل میں رکھ کر سوچیئے۔ کہ

محترم ڈاکٹر ستیہ پال جیسے آپ کے مشہور لیڈر تیج کے کرشن نمبر میں کس طرح واویلا کرتے اور بھگوان کرشن جی مہاراج کو کیسی ناز و ادا سے مخاطب فرماتے ہیں۔

"دیکھو مہاراج صاف صاف سُن لو۔ تم نے دریودھن کو بھی کھری کھری سنائی تھیں۔ ہم بھی تمہیں کھری کھری سناتے ہیں۔ اگر تمہاری طرف سے سرد مہری کا برتاؤ رہا۔ تو ہم بھی تم کو بھول جائیں گے۔ نہ ہم رہیں گے نہ تمہارا نوکر رہے گا۔ تمہارا نام بھی ہمارے نام کے ساتھ وابستہ ہے۔ بُرا نہ مانیئے گا۔ روز روز تمہیں بلا بلا کر ہم بھی مایوس ہو گئے ہیں۔ تم ہو کہ آنے کا نام بھی نہیں لیتے۔ اور اس جانب تمہارا خیال ہی نہیں۔ الٹی میٹم دیدیں۔ آخری بات کہہ دیں۔ اگر اب بھی ہماری چیخ و پکار پر آپ کو دیا نہیں آئی اور ہماری حالت زار پر آپ کو رحم نہ آیا۔ تو پھر ہم بھی تم سے روٹھ جائیں گے۔ اور تم کو یاد کرنا چھوڑ دیں گے۔ ہماری دعائیں تبدیلی ہونے کا احتمال ہے۔"

(تیج کرشن نمبر ۱۹۳۱ء)

میں سمجھتا ہوں۔ کہ صرف اسی ایک حوالہ کے پیش کر دینے سے میری غرض حاصل اور مقصود پیدا ہو جاتا ہے۔ اور مجھے آپکی توجہات کو اپنے مقصد و مدعا کی طرف پھیرنے کے لئے کسی اور دلیل یا حجت و برہان بگھارنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ آپ مجھے اپنے گوشت کا ٹکڑا، خون کا جزو اور پوست کا پارہ سمجھ کر میری بات پر پوری توجہ سے کان دھریں گے۔ اور اگر میرا یہ حسن ظن صحیح ہے۔ تو یقیناً

ع - کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

مگر احتیاطاً اور محض اس خیال سے کہ طبائع مختلف ہوتی ہیں ایک کو کسی کا قول پسند ہوتا ہے۔ تو دوسرا کسی اور کی رائے کو ترجیح دیتا ہے۔ ایک مختصر مگر جامع اور پُراز حقیقت قول پیش کر کے معاملہ کو آپ کی ضمیر کے حوالے کرتا ہوا۔ کسی رجل رشید کی طرف سے لبیک کی انتظار کروں گا۔

محترم مسٹر شانتی پرکاش صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ فریاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"گزشتہ ایک ہزار برس سے جو ہندوستان میں آفتیں نازل ہوئی ہیں۔ اُن کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن بیسویں صدی میں سوشل زوال اور پولیٹیکل گراوٹ انتہائی حالت کو پہنچ گئی ہے۔ اگر بھگوت گیتا میں کرشن بھگوان کا وعدہ سچا ہے۔ تو اُن کے اوتار کی سب سے زیادہ ضرورت آجکل ہے۔ اس لئے بھگوان کرشن آؤ جنم لو۔ دنیا میں سے ناپاکی کو دور کرو۔ دھرم پھیلاؤ .... اور یہ وعدہ پورا کرو۔

چو بنیاد دیں سست گردد بسے
نمائید خود را بشکل کسے"

(تیج کا کرشن نمبر ۱۸ر اگست ۱۹۳۰ء)

برادران محترم! میں نے جو کچھ پیش کیا۔ میری طرف سے نہیں۔ بلکہ یہ سبھی کچھ آپ کے مسلمہ قومی لیڈروں کے اقوال اور اُن کے سچے دلی جذبات کا آئینہ دار ہے۔ جو اُن کے اپنے ہی الفاظ میں آپ کے سامنے ہے۔ مجھے اس پر کسی حاشیہ چڑھانے کی ضرورت ہے نہ عبارت آرائی کر کے اس کی توضیح و تشریح لکھنے کی حاجت، معاملہ صاف ہے۔ عبارت واضح اور مفہوم عیاں ہے۔ یہ آواز شخصی آواز نہیں بلکہ یقیناً قومی خیالات کی ترجمانی اور واقعہ میں بالکل ہی سچی اور صحیح ترجمانی ہے۔ ایڈیٹر صاحب ملاپ نے اگر زمانہ کی بدترین حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے شکوہ و گلہ کیا ہے۔ تو ڈاکٹر صاحب محترم نے بھگوان کرشن جی مہاراج سے نہایت ہی والہانہ رنگ میں ناز و ادا کا طریق اختیار کرتے ہوئے بجلد تر جنم دھارن کرنے کی درخواست کی ہے۔ اور اسی طرح مکرم مسٹر شانتی پرکاش صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے بھگوان کرشن جی سے اُن کا وعدہ یاد کراتے ہوئے ایفائے عہد کی درخواست کرتے ہوئے جلد تر جنم لینے کی خواہش کی ہے۔

ان حوالہ جات سے عیاں ہے۔ کہ آور اقوام عالم

کی طرح ہندو قوم کو بھی بالاتفاق ایک موعود کی انتظار لگی ہوئی ہے جس کے لیئے اُن کے خیال میں یہی بیسویں صدی کا زمانہ اور آجکل کے ایّام مقرر تھے۔ جو خالی گذرتے دیکھ کر دور اندیش اور عقلمند لوگوں میں گھبراہٹ اور بیقراری بڑھ رہی ہے۔ اور اُن کی آنکھیں آسمان کی طرف لگ رہی ہیں۔ اور وہ نہایت ہی درد اور بے صبری سے اس کے جنم لے کر جلد آنے کیلیئے پکار کر رہے ہیں۔ کبھی وہ دنیا کی بدحالی و بدعملی کے دُکھڑے سُنا سُنا کر بھگوان کرشن جی مہاراج کی سیوا میں عرض و معروض اور بینتی کرتے ہیں۔ تو کبھی وہ پاپ اور ظلم۔ ادھرم اور اَستّ کی ترقی اور راکھشوں کے غلبہ کا ذکر کرکے پرماتما کی رحمت کو جوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس کے وعدے یاد کرا کر جلد تر دستگیری و راہنمائی کے لیئے پکار رہے ہیں۔

میرے معزز ہندو جاتی کے بھائیو! ایک طرف اِن حالات کو ذہن میں مستحضر رکھیئے کہ زمانہ واقعی بزبان حال پکار پکار کر اور چلّا چلّا کر کسی آنے والے کی راہ تک رہا ہے۔ اور آپ لوگوں کے دلوں میں ایک جلن ہے۔ ایک پیاس ہے جسکو مجھانے کے لیئے آپ نہائت ہی بے تابی سے اضطرار و اضطراب کی حالت میں بار بار آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھاتے اور ہاتھ پھیلاتے ہو۔ اور دیر ہوتی دیکھ کر گھبراتے اور بچّوں کی طرح بلبلا بلبلا کر پکارتے ہو۔ آپکا یہ پکارنا، ہاتھ پھیلانا، اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھنا بتاتا ہے۔ کہ آپ اس یقین پر بھی قائم ہیں کہ جس کو آپ پکار رہے ہیں۔ وہ واقعی ایسا دیالو اور کرپالو ہے۔ کہ مانگنے والوں کی مضطربانہ دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ اور اپنے بندوں کی سچی پکار اور فریاد کو پہنچا کرتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقتِ ثابتہ ہے۔ کہ جسکا سوائے شقی ازلی کے کسی کو بھی انکار نہیں۔

پیارے بھائیو! دنیا میں اگر راستی کوئی چیز ہے۔ اور اس کی کچھ قدر و قیمت ہے۔ صداقت اگر کوئی نعمت ہے اور اس کو ہر قیمت پر حاصل کرنا اور پا لینا چاہیئے۔ تو

میں اپنے ذاتی علم اور تجربہ کی بنا پر راستی
اور صداقت کی بلند اور مضبوط چٹان پر
کھڑے ہو کر ببانگ دہل، ڈنکے کی چوٹ
بلاتا اور پکارتا ہوں۔ کہ تلاش کرنے والو

اِدھر آؤ، ڈھونڈنے والو دوڑو۔ پکارنے والو سنو۔ صداقت و راستی کے متلاشیو اچھلو۔ بلبلانے والو تسلّی پاؤ۔ حق و حکمت کے بھوکے پیاسو، خوشی کے گیت گاؤ۔ کہ تمہارا مقصود، تمہارا مطلوب اِدھر ہے۔ تم جس کو پکارتے پھرتے تھے وہ آگیا۔ تمہیں جس صداقت اور راستی کی تڑپ تھی وہ موجود ہے جس کے لئے تم بے تابانہ بلبلاتے پھرتے تھے وہ آچکا۔ تم سوتے تھے۔ آرام کی نیند میں غافل تھے۔ کہ وہ رات کے اندھیروں میں ظاہر ہوا۔ کرشن بھگوان آیا پرگھٹ ہوا۔ اُس نے اپنی سُریلی بنسری سے توحید کا ایسا گیت گایا اور اپنے وقت کا ایسا راگ الاپا۔ جس کو میٹھی آواز پر زمین کے کونوں سے اس کی پیاری گوئیں اور محبوب گوپیاں [مخلص مرید اور جاں نثار غلام جیسا کہ عالم روحانی سے آنیوالے تمثیلات میں آسمانی باتیں سنایا کرتے ہیں۔ اور ہر قوم و ملت میں اسکی نظیریں ملتی ہیں مسلمانوں میں ناقۃ اللہ (خدا کی اونٹنی) اور عیسائیوں میں باغ اور باغ کے والی کی تمثیل بیان ہوئی وغیرہ] لبیک کہتی ہوئی دوڑیں۔ اور اُس کی خدا نما صحبت سے فیضیاب ہوئیں

مگر

افسوس آپ نے اس کو قبول کرنے کی بجائے رد کیا۔ اُس کے گرد جمع ہونے کی بجائے اس سے نفرت کی اور دور بھاگے۔ اس کے گُن گانے کی بجائے اس کو دشٹ اور راکھش کے نام سے پکارا۔ افسوس تمہارے خالی چراغ تمہارے کام نہ آئے جن کے چراغوں میں تیل تھا۔ انہوں نے جلا کر اجالا کیا۔ اور اپنے پیا کو ڈھونڈ لیا۔ شناخت کر لیا۔ تم اندھیروں میں سر پٹکتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے ابھی بلبلاتے ہی پھرتے ہو۔ دیکھو عزیزو میں آپ کو ایک پتے کی بات اور معرفت کا نکتہ بتا کر ہوشیار کرنا چاہتا ہوں۔ تا تم اصلیت کو سمجھ اور حقیقت کو حاصل کر سکو۔ وہ یہ ہے۔ کہ روحانی لوگوں کے کلام میں عموماً استعارات ہوا کرتے ہیں۔ تا دنیا اُن کے نیچے چھپے ہوئے حقائق کے سمجھنے اور ان علوم پر اطلاع پانے کیلیئے محنت کوشش اور مجاہدات سے کام لے کر جہاں خدا کے خاص اور اعلیٰ انعامات کی وارث ہو وہاں اُن کی تشحیذ الاذہان بھی ہو۔ اور روحانی علوم اور سماوی معارف سے ان کو مناسبت پیدا ہو کر خدا اور خدا والوں کے کلام کا سمجھنا ان پر آسان ہو سکے۔ چنانچہ

بھگوان شری کرشن جی مہاراج کے شیریں
اور پُر حقائق کلام میں گوپیاں، بنسری
اور گئوئیں اسی جنس کے الفاظ ہیں۔ جن
کی تہ میں کچھ اور حقائق پوشیدہ و مضمر ہیں۔

مجھے رہ رہ کر آپ پر رحم آتا ہے۔ آپ کی تکلیف کا خیال کر کے دل بھر آتا ہے۔ کہ آنے والا مرد تو آچکا۔ پر اس کی شناخت آپ کو نصیب نہ ہوئی۔ اس کو چھوڑ کر اب اگر دنیا جہان کو ڈھونڈ ڈالو۔ چراغ لے کر بھی عمریں بسر کرو۔ دوسرا کوئی نہ پاؤ گے۔ کیونکہ بھگوان کرشن جی کی آپکو انتظار تھی۔ وہ نور جس کی آپ کو تلاش تھی۔ اس سے آپ نے مونہہ موڑ لیا۔ اور پیٹھ پھیر لی ہے۔

میں آپ کو جگاتا ہوں۔ ہوش کرو اور سنبھلو۔ ابھی وقت ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ قبول کر لو۔ بھلا ہوگا۔ کیونکہ اس کا نظیر یہاں حسن و احسان میں اس کا نظیر دنیا میں موجود اور آپ کے سامنے کھڑا پکار رہا ہے۔

پیارے متردو! میں اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ کرشن بھگوان جی مہاراج کے اپنے لفظوں میں آپ کو اس کی آمد کی خوشخبری سناتا ہوں۔ سنو اور قبول کرو۔ اور دوڑ کر اس کے چرنوں پر گر جاؤ۔ کہ اس سے بڑھ کر سعادت کوئی نہ ہوگی۔ دیکھو سنو! آسمانی آواز پر کان دھرو۔ نرسنگا بج رہا ہے، بھگوان کرشن جی مہاراج کا۔ ذرا توجہ سے سنو:—

(۱) جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا اندنوں میں انتظار کرتے ہیں۔

وہ کرشن میں ہی ہوں

اور یہ دعوےٰ صرف میری طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ

جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا ہے، وہ تو ہی ہے

(یہ خدائی کلام قریباً سنہ ۱۹۰۴ء کا ہے)

(۲) **آریوں کا بادشاہ**

(تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۸۵)

(۳) مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا۔

ہے کرشن رودر گوپال
تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے

سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اُس کا مظہر ہوں۔ (لیکچر سیالکوٹ)

(۴) میں ان گناہوں کو دور کرنے کے لیئے جن سے زمین پُر ہو گئی ہے۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں۔ ایسا ہی

راجہ کرشن

کے رنگ میں بھی ہوں۔ جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ روحانی حقیقت کی رو سے

میں وہی ہوں

یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں بلکہ **وہ خدا جو زمین اور آسمان کا خدا ہے اُس نے میرے پر ظاہر کیا ہے** اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے۔ کہ

تو ہندوؤں کیلئے کرشن

اور مسلمانوں اور عیسائیوں کیلئے مسیح موعود ہے

یہ خدا کی وحی ہے جس کے اظہار کے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔

(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۰)

(۵) خدا تعالےٰ نے کشفی حالت میں بارہا مجھے اس بات پر اطلاع دی ہے۔ کہ

آریہ قوم میں کرشن نام ایک شخص گزرا ہے وہ خدا کے برگزیدوں اور اپنے وقت کے نبیوں میں سے تھا۔ اور ہندوؤں میں اوتار کا لفظ درحقیقت نبی کے ہم معنی ہے۔

اور ہندوؤں کی کتابوں میں ایک پیشگوئی ہے۔ اور وہ یہ کہ آخری زمانہ میں ایک اوتار آئیگا۔

جو کرشن کے صفات پر ہوگا اور اس کا بروز ہوگا

اور میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ

وہ میں ہوں

کرشن کی دو صفت ہیں۔ ایک رودر یعنی درندوں اور سؤروں کو قتل کرنے والا۔ یعنی دلائل اور نشانوں سے۔ دوسرے گوپال یعنی گائیوں کو پالنے والا یعنی اپنے انفاس سے نیکوں کا مددگار۔ اور یہ دونوں صفتیں مسیح موعود کی صفتیں ہیں۔ اور

یہی دونوں صفتیں خدا تعالےٰ نے مجھے عطا فرمائی ہیں۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ صـ۱۳۰)

(۶) کشفی طور پر ایک مرتبہ مجھے ایک شخص دکھایا گیا۔ گویا وہ سنسکرت کا ایک عالم آدمی ہے۔ جو کرشن کا نہایت درجہ معتقد ہے۔ وہ میرے سامنے کھڑا ہوا۔ اور مجھے مخاطب کر کے بولا کہ:

ہے رودر گوپال تیری استت گیتا میں لکھی ہے۔

اس وقت میں نے سمجھا۔ کہ تمام دنیا ایک رودر گوپال کا انتظار کر رہی ہے۔ کیا ہندو۔ کیا مسلمان اور کیا عیسائی۔ مگر اپنے اپنے لفظوں اور زبان میں اور

سب نے یہی وقت ٹھیرایا ہے

اور اس کی یہ دونوں صفتیں قائم کی ہیں۔ یعنی سؤروں کو مارنے والا اور گائیوں کی حفاظت کرنے والا۔

اور وہ میں ہوں

جس کی نسبت ہندوؤں میں پیشگوئی کرنے والے قدیم سے زور دیتے آئے ہیں۔ کہ

وہ آریہ ورت میں یعنی ملک ہند میں پیدا ہوگا

اور انہوں نے اس کے مسکن کے نام بھی رکھے ہیں۔ مگر وہ تمام نام استعارہ کے طور پر ہیں۔ جن کے نیچے ایک اور حقیقت ہے۔

(حاشیہ تحفہ گولڑویہ صـ۱۳۰)

(۷) ایک بڑا تخت مربعہ شکل کا ہندوؤں کے درمیان بچھا ہوا ہے جس پر میں بیٹھا ہوں۔ ایک ہندو کسی کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ کہ

یہ ہے

پھر تمام ہندو روپیہ وغیرہ نذر کے طور پر دینے لگے۔ اتنے میں ہجوم میں سے ایک ہندو بولا

ہے کرشن جی رودر گوپال

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۱ و ۴۲ صـ۳۲۲)

(۸) دو دفعہ ہم نے رویا میں دیکھا۔ کہ بہت سے ہندو ہمارے آگے سجدہ کرنے کی طرح جھکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

یہ اوتار ہیں اور کرشن ہیں

اور نذریں دیتے ہیں۔

اور ایک دفعہ الہام ہوا۔

ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما ہو تیری استتی گیتا میں موجود ہے

(تذکرہ صـ۲۹۴ ۱۷ اپریل سنہ قبل)

(۹) **پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور سے رجوع ہوگا۔**

(تذکرہ صـ۲۸۸)

براہین اوتار سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں۔

(۱۰) راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا **کامل انسان** تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا

اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا

وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔

وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا

جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔

وہ خدا کی محبت سے پُر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔

(لیکچر سیالکوٹ صـ۳۴)

میرے بزرگو! بھائیو!! اور دوستو!!! ہندو جاتی کے نونہالو اور موہیال قوم کے سپوتو! میں آپ سب سے نہایت ادب اور محبت کے مقام پر کھڑے ہو کر بنتی کرتا اور التجاء کرتا ہوں۔ کہ دل کو ہر قسم کے پکش پات سے خالی اور ہر قسم کے تعصب، ضد اور ہٹ سے صاف کر کے ٹھنڈے دل سے سوچو اور پھر غور کرو۔ کیونکہ میں نے خدا کا مقدس کلام، ربانی بانی خود بھگوان کرشن کی زبانی آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اس زمانہ میں جس بزرگ کرشن کی آمد کی آپ کو انتظار ہے جس خدا کے برگزیدہ بھگوان کرشن جی مہاراج کے متعلق آپ کی کتب میں پیشگوئی ہے۔ اور جس خدا کے پیارے نبی کرشن کی آپ لوگوں کو اس زمانہ میں تلاش ہے۔ وہ

سچ مچ اسی مقدس اور کامل انسان کے جامہ میں ظاہر ہوا ہے جس کا نام نامی اور اسم گرامی

مرزا غلام احمدؐ قادیانی

ہے۔ جس چشمۂ حیات کی آپ کو ٹوہ تھی۔ جس نور کے آپ طالب تھے جس حقیقت کی آپ کو پیاس تھی۔ جس سجن کیلئے آپ بے تاب تھے۔ جس بھگوان کی آپ کو جستجو تھی۔ اور جس یار کو پانے کے لئے آپ مرنے کو تیار اور جس کی خاطر سبھی کچھ تیاگ دینے پر کمربستہ تھے۔ وہ موعود آپ کا موعود و مقصود بلکہ کل دنیا کا موعود و مقصود بھگوان کرشن جی مہاراج کی خو بو اور صفات لے کر اس بزرگ اور مقدس نبی آخرالزماں کے لباس اور شکل میں ظاہر ہو چکا ہے۔

مان لو۔ اور قبول کر لو۔ سکھ پاؤ گے دو جہان میں اور بھلا ہوگا یہاں بھی اور آگے چلکر بھی

مَیں آپ ہی میں سے آیا ہوں۔ مجھے پرماتما نے اپنی کرپا سے خود اس مقدس ہستی کے چرنوں میں پہنچا دیا۔ اور کم و بیش بارہ برس اس کی صحبت سے فیض پانے کی توفیق بخشی۔ مجھے ہمدردی مجبور کرتی اور بار بار اکساتی رہی ہے۔ کہ اس نور کی آپ لوگوں کو بھی خبر دوں۔ اس ہیرے اور لعل کی قدر و قیمت قدرشناس لوگوں یا اس کی صحبت میں رہنے والے خوش نصیبوں کے سوا کون جانے۔ آپ لوگ جس کی تلاش میں ہیں۔ اس کا پتہ میں نے دے دیا۔ اور نہ صرف پتہ دیا۔ بلکہ میں نے آپ بیتی کی ساری کہانی بھی آپ سے کہہ سنائی ہے۔ خدا آپ کے دلوں کو کھولے اور آنکھوں کو بینائی بخشے۔ تاکہ آپ بھی اس گوہر کو شناخت کر کے مستفیض ہوں۔ آمین

میرے بھائیو! دیکھو ہوشیار رہنا۔ شیطان کے دھوکے سے بچنا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ اس کی کسی چال میں آ جاؤ۔ دیکھو! یہ ذات پات کے بندھن انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ خدا نے ہرگز نہیں بنائے۔ وہ ذات پات اور قومیت کے بندھنوں سے بالکل بالا اور آزاد ہے۔ دیکھیئے اس کا سورج، اس کا چاند، اس کا پانی، اور اس کی ہوا، اس کی زمین اور اس کی آگ کس طرح بلا امتیاز، بلا لحاظ ہر قوم اور ہر جاتی کو یکساں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ بھلا کبھی آپ نے محسوس کیا۔ کہ خدا کا سورج صرف ہندوؤں کے کھیتوں اور باغوں کو پکاتا یا اس کا چاند صرف انہی کے پھلوں میں حلاوت و شیرینی ڈالتا ہو۔ یا اس کے پانی سے صرف ہندوؤں کی پیاس بجھتی ہو۔ اور ہوا صرف انہی کی پرورش کرتی ہو۔ یا زمین صرف ہندو کہلانے والوں ہی کے بیج اگائے۔ اور آگ صرف اسی خاص قوم کے کھانے پکانے کی طاقت رکھتی ہو؟

نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ جسطرح اللہ تعالےٰ کی یہ نعمتیں ہر انسان اور ہر قوم کے لئے یکساں مفید رہی ہیں رہتی ہیں اور رہیں گی۔ اسی طرح اس کی روحانی نعماء کبھی

خاص قوم وملّت کے لیئے کبھی مخصوص ومحدود رہیں نہ ہیں۔ اور نہ آئندہ کبھی مخصوص ومحدود رہیں گی۔ کوئی قوم نہیں جس میں خدا کا نبی نہ آیا ہو۔ اور اس کو شکوہ ہو۔ کہ ہم خدا کی اس نعمت سے محروم ہیں۔ ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر یہ وہ حقیقت ہے۔ کہ جو اس زمانہ کے نبی، نبی آخر الزمان کرشن جی بھگوان نے قرآن کی تعلیم سے اخذ کر کے دنیا پر ظاہر فرمائی۔ اور اس طرح جہاں دنیا اور دنیا والوں کے علوم و عرفان میں زیادتی فرمائی، وہاں خدا کے ہزاروں لاکھوں برگزیدہ اور مقبول نبیوں کی عزت اُن کا احترام اور وقار قائم کر دیا۔ اور اُن کی نبوت کو دنیا وجہان سے منوا کر ان کی توقیر اور ان کا تقدس دلوں میں قائم کر دیا۔ اور دنیا کے لٹریچر میں ایسا ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا ہے۔ جس کی مثال صدیوں تک تلاش کرنے کے باوجود ملنی مشکل ہے۔ (یہ مضمون بہت وسیع ہے۔ میں نے صرف اشارۃً اس کا ذکر کیا ہے)

الغرض یہ خیال کہ **غلام احمد کے وجود میں بھگوان کرشن کا اوتار**؟ آپ کی راہ میں روک نہ ہو۔ خدا کی خدائی کا رستہ محصور نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظر انتخاب بالکل صحیح اور حق وحکمت پر مبنی ہوا کرتی ہے۔ وہ اپنی عطاء ودین کے متعلق پوچھا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اس کی نظر ساری نظروں سے وسیع اور تمام علوم پر حادی ہے۔

پس آپ اس تعجب میں حیران وسرگردان نہ پڑے پھریں۔ بلکہ خدا کو اپنی کشتی کا ناخدا بنا کر کشتی کو خدا پر چھوڑ کر اسی کی ہدایت اور مدد کا سہارا تلاش کریں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مخلوق سے پیار کرنے والا ہے۔ نہ حق وہدائت کی راہ نمائی کرنے والا۔

دیکھو بھائیو! میں نے چونکہ آپ ہی کے اندر جنم لیا۔ پرورش پائی۔ اور ہوش سنبھالے۔ میں آپ کی قوم کی بعض خصوصیات کو جو اصل الدین کے طور پر گویا قومی طغرائے امتیاز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ طبعًا اور فطرتًا جانتا پہچانتا ہوں۔ میرا دل اور دماغ ان سے اتنا متاثر ہے۔ کہ ان میں سے بعض کے متعلق دلائل دینا تو درکنار آپ کو یاد کرانا یا اشارہ کرنا بھی آپ کی توہین کے مترادف سمجھتا ہوں۔ مثلاً صلح جوئی۔ امن پسندی اور مرنج مرنجان کی پالیسی آپ کا ایک قومی خاصہ ہے۔ اور بدظنی، بدگوئی سے پرہیز کرتے ہوئے بلا امتیاز اپنے اور پرائے سبھی بزرگوں کا ادب واحترام کرنا اور ہر کسی کے آگے زانوئے ادب کرتے ہوئے محبت واحترام سے سیس نوانا اور سر جھکانا بھی آپ کا قومی کیریکٹر ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ پرمیشر پرماتما کے نام کا ادب و احترام بھی آپ لوگوں کے دلوں میں بہت بڑی حد تک جاگزیں ہے۔ جس کی وجہ سے خدا کے نام پر کچھ کہنے اور سنانے والوں کی طرف آپ پوری توجہ اور گہری محبت سے جھک جاتے ہیں۔ آپ کے دل نرم ہو کر سننے اور قبول کرنے پر آمادہ ہو جایا کرتے ہیں وغیرہ میں نے اِسی اثر وخیال کے ماتحت، اِسی حسن ظن اور جرأت کے باعث اور ہندو قوم کے اسی کیریکٹر وخصوصیت کی وجہ سے موجودہ زمانہ کے عظیم الشان اوتار بھگوان کرشن جی مہاراج کے دعاوی کے دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کیونکہ اوّل تو میں اس علم ویقین پر ہوں۔ کہ وہ مقدس ترین وجود باجود کوئی ایسی ڈھکی چھپی ہستی یا غیر معروف اور گمنام شخصیت نہیں۔ کہ دنیا اس کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ سے لاعلم و بےخبر ہو۔ بلکہ خدا کا وہ برگزیدہ مدتوں سے کیا بلحاظ اپنے اخلاق واطوار اور کیا بلحاظ اپنے اوصاف وایثار اور کیا بلحاظ اپنی مسلمہ بےعیب وبےداغ واعلیٰ چال چلن، جود وسخا، عفو وعطا، علم وفضل۔ رحم وکرم۔ حلم وحیا۔ پارسائی واتقاء خوش خلقی۔ ہمدردی وملنساری۔ دیانت وامانت اور توکل وراستبازی غرض تمام اعلےٰ اخلاق کا مجسمہ اور اعمال صالحہ کا پُتلا کامل نمونہ اور سچا اُسوہ تھا۔

وہ جس نے کبھی بندوں پر جھوٹ نہ بولا
خدا پر کیوں جھوٹ بولنے لگا؟

وہ جس نے صدق وصداقت کی خاطر ہزاروں لاکھوں کی جائیدادیں۔ بلکہ بھائی بند اور رشتہ دار تک قربان کر دینے سے دریغ نہ کیا ہو۔ وہ جس نے سچ اور راستی کو قید وبند کے خوف یا ذلت ورسوائی کے ڈر سے کبھی ہاتھ سے نہ دیا۔ اس کے متعلق ایسا گمان کرنا۔ کہ نعوذ باللہ اس نے خدا پر جھوٹ بولا۔ اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے اُسے نہیں کہا۔ وہ کچھ اپنے نفس سے اس نے خدا کی طرف منسوب کر دیا۔

ایک ایسی جسارت اور دلیری ہے۔ جس کا
کم از کم میں تو ہندو قوم کے کیریکٹر کے
مدنظر وہم بھی نہیں کر سکتا۔

دوم یہ کہ میں اس امر سے بھی واقف وآگاہ ہوں۔ کہ ہندو قوم ایک بہت پرانی اور تجربہ کار واقعہ ہوئی ہے۔ اور بڑے بڑے علوم اور تجارب کا نچوڑ اس نے چھوٹی چھوٹی ضرب المثلوں یا فقروں میں نکال رکھا ہے۔

سانچ کو آنچ نہیں۔ جھوٹ کے پیر نہیں۔
سچ کا بول بالا۔ جھوٹ کا مونہہ کالا۔

ایسے جامع مانعہ چھچے تُلے فقرے تُلّی ودَلی الفاظ ہیں۔ جن کی تہ میں باریک در باریک علوم وسیع تجارب کا نچوڑ انمول موتی۔ اور سچے معارف چھپے ہوئے ہیں۔ جن کی موجودگی میں بلکہ اُن کے زبان زد خلائق ہوتے ہوئے میں تو یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ کہ ہوشیار اور دوربین ہندو قوم معمولی سے معمولی کسی چھوٹی موٹی دنیوی حکومت کے جعلی چپڑاسی بننے والے کے انجام سے واقف وآگاہ ہونے کے باوجود

سچے اور جھوٹے کھرے اور کھوٹے اصلی
اور نقلی، حقیقی اور جعلی حتیٰ کہ صادق اور کاذب تک

میں تمیز کی عقل سے معرا، شناخت کے جوہر سے خالی اور ایسے جوہر شناسی کے ہنر سے عاری ہو۔ خصوصًا جبکہ وہ خود بارہا اس امر کا اعلان بھی کر چکی ہو۔ کہ:۔

ہم یہ تسلیم کیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ وہ کیا
بلحاظ لیاقت کے اور کیا بلحاظ اخلاق اور کیا
بلحاظ شرافت کے ایک بڑے پایہ کے انسان
تھے۔
(پربھد پرچارک)

اُن کی ذات والاصفات کے متعلق کوئی بدگمانی آپ کریں؟ حاشا وکلا۔ لہٰذا میں اس پہلو کو سلیم الفطرت اور صحیح الدماغ نیک نہاد ہونہار نونہالوں اور جاتی کے سپوتوں کے صافی قلوب کی غور وفکر کیلئے چھوڑ کر بھگوان کرشن جی مہاراج کے خصائل واوصاف اور حضورؑ کی وضع قطع اور حلیہ بانا کے ذکر کی طرف توجہ کرتا ہوا اپنے بزرگوں بھائیوں اور مترّوں کی باریک نظر، دوربین آنکھ اور تیز دماغوں کو اپنے ذیل کے بیان کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

بھگوان کرشن جی مہاراج کی دو مشہور صفات جو خاص طور سے مذکور اور نمایاں رنگ میں بیان ہوتی چلی آ رہی ہیں۔

رُدّر اور گوپال

یعنی پاپ، گناہ اور بدی وبدکاری کو دور کرنا۔ درندہ صفت سؤر خصلت ادھرمی اور ناستک خیالات اور ظلم وفساد کو دور کر کے اُن کی جگہ نیکی، نیکوکاری۔ دھرم اور ایمان، امن وآشتی۔ صلح وسلامتی کو دنیا میں رائج وقائم کرنا۔ اور مختصر یہ کہ

گناہ کو مٹا کر نیکی کو قائم کرنا

یہ دو کام ہیں۔ اور حقیقۃً جب سے یہ دنیا جہان چلے آ رہے ہیں جسقدر بھی راستباز، رشی، مُنی اور اوتار، انبیاء کرام اور مرسلین عظام خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ اُن سب کا یہی کام اور مشترکہ مشن ہوتا چلا آیا ہے اور جس طرح خدا کے وہ مقدس اور پاکباز بندے سارے کے سارے ایک ہی جوہر کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ ایک ہی چشمہ سے فیض پاتے اور ایک ہی نور سے نور حاصل کر کے دنیا میں آیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ان سب کا کام بھی علیٰ قدر مراتب زمان ومکان کے لحاظ سے ضرورت اور اہتمام کی بنا پر کم وبیش قدر مشترک ہی پر مشتمل رہا ہے۔

پاپ اور گناہ کی مختلف حالات اور کیفیات کے مدنظر مختلف تعریفیں کی جا سکتی ہیں۔ مگر موجودہ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے ملکی فضاء اور قومی مناقشات کو سامنے رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں۔ کہ گناہ کی بہترین تعریف وہی صحیح اور حقیقی ہو سکتی ہے۔ جو

نبیٔ زماں حضرت کرشن جی بھگوان

نے دور حاضرہ اور زمانہ کے فتن کو ملحوظ رکھتے ہوئے شدت اثر اور نتائج کی ہولناکی ودہشت محسوس کرتے ہوئے کی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

دنیا میں گرچہ ہوگی سو طرح کی بُرائی
پاکوں کی ہتک کرنا سب سے بُرا ہی ہے

اور اس حقیقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ واقعی یہ گناہ

بہت خطرناک اور بھیانک فسادات اور قوموں کے درمیان جنگ و جدال اور نفاق و انشقاق کا موجب ہو کر قوموں اور ملکوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہو جاتا اور ایک ایسی دائمی بدامنی کا موجب بنتا ہے۔ کہ جس کی آگ بے انداز اموال کے ضیاع مدتوں کی کوششوں اور ہزاروں جانوں کے اتلاف کے باوجود فرو ہونے میں نہیں آتی۔

ظاہر ہے۔ کہ اگر کوئی شخص زید یا بکر کے باپ کو گالی دے اس کی ماں پر تہمت لگائے یا اس کی بیوی اور بہن کی عزت پر حملہ کر کے اس کے دل کو زخمی کرے۔ تو یہ زخم ہی مدت العمر مندمل ہونے میں نہیں آتے۔ اور باہمی لڑائی جھگڑے اور فساد و عناد سے بڑھ کر بعض اوقات قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے حالانکہ یہ رشتہ صرف جسمانی اور دنیوی حدود تک ہی محدود ہوتا ہے۔ تو اس سے اندازہ کر لو۔ کہ کسی کے روحانی پیشوا کی ہتک توہین یا گالی گلوچ سے کس قدر بھیانک اور ہیبتناک مناظر پیش آنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اور بدقسمتی سے ہمارا ملک ہند ایسے افعال شنیعہ کے کسقدر کپکپا دینے والے مناظر اور واقعات کا معائنہ کر چکا ہے۔ کیونکہ روحانی پیشوا اور دینی مقتداء جو پاکوں کے پاک، مقدسین کے سرتاج بلکہ مظاہر خدا ہونے کی وجہ سے اپنے پیروؤں میں خدا کے بعد اس درجہ عزت و احترام اور منزلت و اکرام سے دیکھے اور تسلیم کیئے جاتے ہیں۔ کہ دنیوی رشتوں کی اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔ اور ان کے ماننے والے جان و مال و خویش و اقارب سے بڑھ کر عزت و آبرو تک کو بھی اُن کی عزت پر نثار و قربان کر دینا سعادت دارین اور ذریعۂ نجات یقین کرتے ہیں۔ پس حقیقت یہی ہے۔ کہ

کسی قوم کے مقدسین اور پاکباز نبیوں یا اوتاروں کی توہین کرنا یا ان کو گالی دینا اس زمانہ میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ جس سے قوموں میں نفاق و فساد کی آگ سلگتی اور دنیا میں خون خرابہ اور بدامنی کا دور دورہ ہو کر صلح و امن عنقا ہو جاتے ہیں۔

بھگوان کرشن جی مہاراج نے خدا سے نور پا کر، علم حاصل کر کے فیض معرفت لے کر اس پاپ کو مٹایا، اس گناہ و ناپاکی کو دور کیا۔ اور خدا کی کامل کتاب سے ایسا علم کلام اخذ کر کے دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والوں میں اسکو پھیلایا جس کی رو سے ابتداء سے لیکر اس زمانہ تک بلکہ آئندہ ہمیشہ ہمیش آنے والے سارے ہی خدا کے نبیوں، مقدسوں، رسولوں، اوتاروں اور خدا کے پیاروں کی عزت کا تحفظ ہو گیا۔ اور ان کی صداقت اور احترام دنیا میں قائم ہو گیا۔ اور یہی اصل ہے جس کو قرآن کریم نے

ان من امة الا خلا فیها نذیر
لا نفرق بین احد من رسله

کا فرمان سنا کر جاری و ساری فرمایا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ یہ فرمانِ الٰہی نزول قرآن کے وقت ہی سے موجود تھا۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ یہ حقیقت کھولی کس پر گئی؟ اور خدا نے کشف حقائق کے لیئے چنا تو کس کو؟ اس صداقت کے حصول کا سہرا بندھا تو کس کے سر؟ یہ ٹھیک ہے۔ اور ہم بھی یقین رکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم ایسی کامل الہامی کتاب ہے۔ اور وہ ایسا بحر بیکراں ہے جس میں معارف کے موتی۔ حقائق کے ہیرے اور علوم کے خزانے جمع ہیں۔ مگر مبارک ہے وہ مقدس وجود جس کے ذریعہ اُن علوم، حقائق و معارف کا اظہار ہوا۔ اور وہ منصۂ شہود پر آئے۔

الغرض میرے معزز ہندو بھائیو! اس زمانہ کے اوتار بھگوان کرشن جی مہاراج کی جے بولو! کہ اُس کے ذریعہ سے جہاں ایک طرف ایک مہا پاپ، بڑا بھاری گناہ اور ہیبتناک جرم دنیا سے دور ہوا۔ ہو رہا ہے اور ہوتا رہیگا۔ اور اِسی طرح **بھگوان کی صفت رودر** کا ظہور ہوا۔ وہاں آپ کی دوسری صفت یعنی **گوپال** کا بھی ظہور ہو گیا کہ سارے مقدسین اور پاکباز اوتاروں اور نبیوں کی عزت و عظمت قائم ہو گئی۔ اور کل جو لوگ اس انکشاف کے نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں صدیقوں اور نبیوں کو جھوٹا کذاب اور مکّار خیال کرتے تھے۔ آج ان کو خدا کے پیارے صادق اور راستباز نبی مانتے اور ان پر سلام و درود بھیجنے لگے ہیں۔ پس اس طرح جہاں خدا کے مقدس اور پاک لوگوں کی توہین کرنے کے گناہ سے دنیا بچ گئی اور گناہ اور پاپ مٹا۔ وہاں خدا کی اُن مقدس گئوؤں نیک و بزرگ لوگوں کی کھوئی ہوئی عزت و وقار کے قیام سے **گوپال** کی صفت بھی اپنی پوری شان سے ظاہر ہوئی۔

میرے بھائیو! یہ بیان بہت طویل اور مضامین نہائت گہرے اور لمبے ہیں۔ میں اس مختصر سے مضمون میں لکھ سکتا ہوں۔ نہ ان سب کا جمع کرنا میری طاقت میں ہے۔ میں نے آپ کے ہاتھ میں ان علوم و معارف کا ایک سرا دیدیا ہے۔ اب آپ جوں جوں کوشش کریں گے۔ سوچیں گے حضرت بھگوان کرشن جی مہاراج کی کتابوں کے سمندر میں سے غوطے لگا لگا کر معارف کے موتی نکال لیں گے۔

حضور پُر نور نے شرائط بیعت مقرر فرمائے ہیں۔ اُن کو ملاحظہ فرمائیئے۔ حضورؑ کی تعلیمات کی تفاصیل کتب میں ملاحظہ کیجیئے۔ کم از کم کشتی نوح اور پھر حضورؑ کے جرنیلوں میں پہنچنے والے خوش نصیب لوگوں کے حالات کا مطالعہ کریئے۔ آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ مشہور مقولہ

"چوروں قطب بنائے"

والی بات کس شوکت سے پوری ہوئی۔ کتنے ہی چور قطب بن گئے۔ اور کتنے ہی گناہ و معاصی کی زندگی میں لتھڑے رہنے والے ابدال ہو گئے۔ کتنے دہریت کے دریا میں غرق تھے مگر بھگوان کرشن کی سیوا کر کے ایسا پھل پایا۔ کہ اب وہ خود خدا نما ہو گئے۔ ہزاروں کو نور ایمان اور زیور اخلاق سے آراستہ کیا۔ جاہلوں کو عالم، عالموں کو عالم باعمل بنایا۔ وحشت و درندگی سے نکال کر انسان پھر انسان کامل اور خدا تک پہنچنے کے قابل بنا کر

گویا کروڑوں کروڑ پاپ مٹائے۔ اور لاکھوں لاکھ گئوؤں کا پالن کر کے اپنی دونو صفات **رودر اور گوپال** کا نمایاں رنگ میں ثبوت پیش کیا۔

نہ صرف اسی رنگ میں بھگوان جی مہاراج نے اپنی معروف صفات

رودر اور گوپال

کا مظاہرہ فرمایا۔ بلکہ اور بیسیوں طریق سے بھی اُن اوصاف کے اثرات و ثمرات دنیا پر پوری شان سے ظاہر ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ کیونکہ خدا کے یہ بزرگ رسول اور اوتار دنیا میں تخم ریزی کرنے کو آیا کرتے ہیں جس کی حفاظت اور آبیاری داشت اور برداشت اُن کے بعد اُن کے خلفاء، مریدوں، معتقدوں، اور پیروؤں کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ مسئلہ جہاد کے غلط مفہوم کے باعث جو اضطراب و ہیجان اور تشویش و ہراس ملکوں اور قوموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کے خیال اور تصور سے جس طرح دنیا پر ایک لرزہ طاری تھا۔ مذہب کے نام پر جنگ و جدال کے جس سلسلۂ غیر متناہی کا نسل انسان کو اندیشہ لاحق تھا۔ وہ

اسی شاہزادۂ صلح و آشتی اور منبع امن و سلامتی کے ذریعہ دور ہوا۔

پیغام صلح پڑھ کر دیکھیئے کہ کیسی پائدار صلح کا طریق اس مجسمۂ رحمت نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اہل ہند بلکہ دنیا بھر کی قوموں کو دیا۔ جس کے دُور رس نتائج و اثرات اور شیریں ثمرات سے لاکھوں کروڑوں پاپوں کے مٹنے اور لاکھوں ہی گئوؤں کے پالن کے سامان وابستہ ہیں نہ صرف اِسی پر بس ہے۔ بلکہ پاپ اور گناہ کے منبع اور سرچشمہ ہی کو بند کر دینے کے سامان اور مٹا دینے کے وسائل ایسے جو کبھی خطا نہ ہوں اسی موعود

بھگوان شری کرشن جی مہاراج

نے دنیا پر ظاہر کیئے۔ اور گناہ سوز ایمان۔ یقین و عرفان سے پُر معرفت الٰہی جس کے حصول کے بعد گناہ۔ پاپ کا ہمیشہ کے لیئے معدوم و نابود ہو جانا لازمی ہو جاتا ہے۔ یہ تمام حقائق و علوم اُسی چشمۂ فیض نے خدا سے حاصل کر کے دنیا کو بتائے۔ اور ہزاروں انسانوں کو اس سے فیض یاب کر کے ایسا فیض رواں اور چشمۂ صافی جاری فرمایا جس سے لاکھوں گئوئیں پلتی اور پرورش پاتی ہیں۔ اور اب یہی سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

اے مادرِ ہند کے سپوتو! اور اے خدا کے رشیوں اور مقدس اوتاروں کی اولاد! اور اے بھگوان کرشن جی مہاراج کے سچے عاشقو! نہائت ہی اختصار کے ساتھ اور بالکل اجمالی رنگ میں مَیں نے یہ چند امور آپ کے غور کے لیئے آپ کے پیش کیئے اور سامنے رکھے ہیں۔ آپ اگر سچے دل سے بھگوان کرشن جی مہاراج کے عاشق و شیدا ہیں۔ آپ اگر دل سے اُن پیشگوئیوں اور وعدوں کو سچا یقین کرتے ہیں۔ جو آپ کی کتب مقدسہ میں بھگوان کی آمد کے متعلق درج ہیں۔ اگر آپ کو سچا اندیشہ ہے۔ کہ بھگوان نے بعد نر اوتار لے کر دنیا کی

دستگیری نہ کی۔ تو خدا کا نام لیوا دنیا میں کوئی بھی باقی نہ رہیگا آپ اگر سچ مچ زمانہ کی بدی اور بدکاریوں، مصائب اور بیکاریوں سے تنگ آچکے ہیں۔ آپ اگر واقعی دنیا میں پاپ اور گناہ کی وجہ سے راجوں کے سنگھاسن ہلتے اور غریبوں کے جھونپڑے اُکھڑتے دیکھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا خون چوس کر اپنے جسم کی پرورش کرنے کا جذبہ اگر واقعی آپ کو دنیا میں موجزن نظر آتا ہے۔ اگر آپ کے خیال بلکہ خیال ہی نہیں یقین میں یہ بات حق اور سچ ہے۔ کہ

"اگر بھگوت گیتا میں کرشن بھگوان کا وعدہ سچا ہے، تو
اُن کے اوتار کی سب سے زیادہ ضرورت آجکل ہے"۔

تو پھر آپ ان پیش کردہ امور پر پوری توجہ، سچی تڑپ اور گہری نظر ڈال کر کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ اور میں اس یقین پر ہوں۔ کہ اگر آپ سچے دل سے غور کریں سوچیں اور پھر اپنے ایشور سے روحانی گیان کی مدد مانگیں۔ تو وہ دیالو کرپالو ضرور ضرور آپ کی فریاد کو پہنچیں گے۔ اور [illegible] سے آپ کی دستگیری کے سامان فرمائیں گے۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا۔ کہ [illegible] کو خدا کے پانے کی سچی تڑپ ہو۔ آپ اس کے ملنے کی سچی کوشش کریں۔ اور پھر اس سے پرارتھنا بھی کریں۔ تو وہ آپ کو محروم رکھے۔ مگر یاد رہے۔ کہ شرطِ صدق۔ طریقِ وفا، اور ضرورتِ استقلال حصولِ مقصد کے لئے بمنزلہ مجاہدہ اور تپ مقرر ہیں۔

اب میں ایک اور چھوٹی سی مگر نہایت ہی قیمتی اور پُر از معرفت بات آپ کے سامنے رکھتے ہوئے شری بھگوان کرشن کی تلاش اور شناخت کو آپ کے لئے آسان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کہ شائد یہی وہ بات ہو جس کے سمجھنے سے آپ کی پیاس بجھے۔ اور آپکی متجسس فطرت کو تسلّی و اطمینان میسر آجائے۔ اور وہ یہ ہے کہ

بھگوان کرشن جی مہاراج کی آمد، روپ وسروپ
اور اوتار سادھن کے متعلق آپ کی تمام
پیشگوئیوں کا نقطۂ مرکزی۔ کتب مقدسہ اور پستکوں کا
نچوڑ۔ آپ لوگوں کی دلی خواہش۔ قلبی آرزو اور سچی
امنگ یہی ہے۔ کہ

بھگوان سرزمین ہند میں ہی جنم لیں۔ جسکو آپ لوگ
دیوتاؤں اور اوتاروں کی سرزمین سمجھتے ہوئے
مقدس ترین یقین کرتے ہیں۔

یہ آپ کی آرزو تھی دلی۔ تڑپ تھی سچی۔ پیاس تھی حقیقی اور التجاء و پرارتھنا تھی اضطراری۔ خدا نے آپ کے دلوں کو دیکھا۔ اور اندرونی کیفیات پر نظر کی۔ آپ کے ہردوں کو جھانکا۔ اور حالات پر توجہ فرمائی۔ اور آپ کی خواہش کے مطابق اپنی رحمت کا نزول اسی خوش نصیب زمینِ ہند میں فرما کر اس کو ساری دنیا سے ممتاز اور سربلند فرما دیا۔ حالانکہ اس زمانہ کا موعود کل ادیان کا موعود مسلّم تھا۔ اور ساری قومیں اور سارے ہی ممالک کے لوگ اس کے اپنے اپنے ممالک میں نزول کے امیدوار تھے۔ مسلمان، عیسائی۔ بدھ۔ یہودی۔ زرطشت، مجوس وغیرہ کل ہی اقوامِ عالم اس وجود مقدس کے اپنے مقدس مقامات میں جنم لینے کے خواہاں اور آرزو مند تھے۔ مگر

سواہی رانی جو پیا کو بھانی

خدا نے یہ عزت آپ کی سرزمین بھارت ماتا کو دیکر اُس حکمت اور مصلحت کو بھی آشکار فرما دیا۔ کہ آنے والے موعود کا اقوامِ ہند سے کوئی گہرا اور خاص ہی تعلق ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ اسی امر کی طرف ایک اشارہ ہے کہ آنے والے موعود کے جہاں دوسری قوموں کے مناسب حال ہو اور صفات اور نام ہونگے۔ وہاں ہندو قوم کے لئے اُن کے مناسب حال وہ

بھگوان کرشن کے رنگ، خوبو اور صفات
میں بھی ظاہر ہوگا۔

پس میرے بھائیو! یہ ایک ایسا امتیاز، اتنی خصوصیّت اور بلند مقام ہے۔ کہ اس کے لئے آپ لوگ جتنا بھی خدا کا شکر بجا لائیں کم۔ اور جتنی بھی اس نعمت کی قدر کریں تھوڑی ہوگی۔ خدا کا خاص فضل، اس کا خاص انعام اور نمایاں امتیاز آپ کی طرف سے بھی نمایاں ہی رنگ میں لبیک۔ اور قربانی چاہتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ اس کی قدر و قیمت کو سمجھیں۔ اور حق نعمت ادا کر سکیں۔

دیکھو بھائیو! جس طرح اور اقوامِ عالم اپنی خواہش و مرضی کے مطابق اس موعود کو حسب منشاء اور دلپسند مقامات میں بلانے، جنم لینے اور نازل کرانے پر قادر نہ تھے۔ اسی طرح کسی خاص ملک یا مقام میں جنم لینا اور نازل ہونا۔ خود اُس موعودِ محبوب کے اپنے اختیار و بس یا مرضی و خواہش پر بھی منحصر نہ تھا۔ خدا کی باریک در باریک حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ جن تک ہر انسان کی عقل و علم پہنچ سکتے ہیں۔ نہ اُن کی کنہہ کو پا سکتے ہیں۔ اس کی نظرِ انتخاب بالکل صحیح اور پسند فرمودہ ملک لائق صد مبارک اور قابلِ صد ناز ہے۔ پس خدا کی ان حکمتوں پر غور کرنے کی کوشش کرو۔ اور نعمتوں کی پوری شکرگذاری ادا کرو۔ تاکہ خدا خوش ہو کر اپنے فضلوں اور رحمتوں کو زیادہ وسیع اور زیادہ شاندار بنائے۔ اور ہم سب کو اُن سے متمتع ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین

اب میں اپنے اس بیان کو ایک آخری بات پر ختم کرتا اور ساری ہی ہندو جاتی سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ میرے اس بیان پر ٹھنڈے دل سے وچار کریں۔ موت کا وقت مقرر نہیں۔ اور نہ ہی کسی کو اس کا علم دیا گیا ہے۔ فراغت کی گھڑیوں کی قدر کرو۔ اور پہلی ہی فرصت میں ان امور پر گہری بچار اور پوری غور کرنے کے ساتھ اپنے پرماتما کے حضور نہایت صدق نیّت اور خلوص دل سے التجاء و پکار اور دعا و پرارتھنا کریں۔ کیونکہ حقیقی ہدایت اور اس تک پہنچانیوالا نور بھی اسی کی طرف سے ملا کرتا ہے نہ کہ انسانی کوشش خود اس کو پا سکتی ہے۔ اور میرا اپنا تجربہ مجھے اس یقین پر قائم کرتا ہے۔ کہ

اُس کو سچے دل سے پکارنے والا کبھی ناکام
و نامراد نہیں رہتا۔

مسلمانوں میں جس موعود کی انتظار اس زمانہ سے وابستہ ہے علاوہ اور علامات کے ایک واضح بیّن کھلی اور مسلمہ علامت اس موعود کی یہ بیان ہوئی ہے۔ کہ جب وہ موعود مبعوث ہوگا۔ تو اس کے جسم پر

"دو زرد چادریں ہونگی"

یہ آج کی بات نہیں۔ بلکہ قریبًا چودہ سو برس پیشتر سے مسلمانوں میں بطور ایک امانت کے چلی آرہی ہے۔ اور گو مسلمان معبرین اور مفسرین و شارحین نے ان دو زرد چادروں کو علم الرؤیا کے ماتحت تصوّر کرتے ہوئے اُن کی تاویل و تعبیر کی ہے۔ اور اُن سے مراد دو بیماریاں لی ہیں جن میں سے ایک اس مقدس وجود کے بالائی حصّہ جسم میں اور دوسری زیرین حصّۂ بدن میں سمجھی گئی ہیں۔ اور واقعات نے اس کی تصدیق کر کے اس تعبیر کی صداقت کو بھی اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ مگر میں اگر ان دو زرد چادروں کو ان کی اصلیت پر قائم رکھتے ہوئے بغیر کسی تعبیر و تشریح کے ان کی ظاہری شکل میں دیکھا ہوا مان کر

دیکھنے والے مقدس ترین، سیّد الاولین و
الآخرین اُسپر کروڑوں درود اور ہمیشہ کی آفرین

کے ورد کرتا ہوا۔ اُس کی دوربین آنکھ، حقیقت رَس قوّتِ قدسی، اُس کی شان بلند اور مقام محمود کا دنیا میں ہمیشہ ہمیش پرچار کرتا پھروں۔ تب بھی اس کی عزت و عظمت، بزرگی اور رفعت شان کا اظہار نہ کر سکوں گا

دیکھو دوستو! اُس انسانِ کامل کو خدائے علّام الغیوب نے آنے والے کی شکل دکھا دی تھی جس کو حضور پُرنور نے اپنے لفظوں میں بیان فرمایا۔ اور چونکہ یہ ایک روحانی نظارہ اور کشفی کیفیت تھی۔ صلحائے امت نے اس کی تعبیر کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ اس کے نیچے بھی ایک حقیقت مضمر تھی۔

مگر آپ اگر اس نظارہ کو اس کے ظاہری معنوں میں لیکر حقیقت و اصلیت کی عینک اور چشمے لگا کر معائنہ کریں۔ تو کیا آپ کو

بھگوان کرشن جی مہاراج کا وہی حُلیہ
نہ دکھائی دیگا؛ جو آپ کا مسلّمہ ہے۔

سوچو اور غور کرو مترو! یہ معمولی بات نہیں چھوٹا سا معاملہ نہیں۔ آج ہی بلکہ ابھی کرشن جی مہاراج کی کوئی پُرانی تصویر اُٹھا کر سامنے رکھو۔ اور دیکھو۔ کہ بھگوان کا لباس کیا ہے؟

وہی دو زرد چادریں آپکے زیب تن

ہیں جن میں ملبوس بھگوان کو میرے آقا کے آقا نے خدا مین

نظر سے دیکھ کر دنیا پر ظاہر کیا۔ اور ایک ایسی ناقابلِ تردید صداقت کا اظہار فرما کر بھگوان کی منتظر قوموں کے لیئے جہاں اس کی شناخت کی راہ کھولدی وہاں اُن پر حجت بھی تمام فرما دی۔ اور اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی۔ تو میرے خیال میں دو زرد چادریں خدا کے رشیوں منیوں اور اوتاروں پر آپ کے ہاں ایک مسلّمہ قومی لباس سمجھی جا کر باعثِ تقدس اور مظہرِ روحانیت گردانی جاچکی ہیں آپ ذرا اس کو نظر عمیق سے سوچ لیں۔

اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ محمّدٍ وآلِ محمّدٍ

وعلیٰ عبدك المسیح الموعود وبارك

وسلّم۔

آؤ بھائیو! آپ بھی میرے ساتھ مل کر بولو

"بھگوان کرشن جی مہاراج کی جے۔"

میرے پیارے بھائیو! میں نے بہت ہی اختصار اور اجمال سے اور بالکل ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بعض حقائق آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ اور ایک لمبی بیماری اور کمزوریوں کے باعث مجھ میں سردست اس سے زیادہ لکھنے کی ہمت ہے اور نہ ہی میں اپنے مافی الضمیر کی تشریح و توضیح پوری طرح کر سکا ہوں۔ خیالات جو میں نے پیش کئے ہیں۔ اگر ان پر غور کیا جائے اور اُن کی کُرید کی جائے۔ تو کئی قسم کے معارف ان کے نیچے چھُپے ہوئے ملیں گے۔ خدا تعالےٰ نے مجھے توفیق دیدی تو پھر کبھی کچھ عرض کرونگا۔ ورنہ جس کو اللہ کریم توفیق بخشیں وہی اس کے اہل ہونگے

دیکھو میرے پیارے بزرگو! اور سجنو! ایمان قابلِ قدر وہی ہُوا کرتا ہے۔ جس میں ایک حد تک اخفاء اور غیب کا پردہ بھی پایا جاتا ہو۔ ورنہ اگر اخفاء اٹھ جائے اور پردہ ایسا دور ہو جائے کہ اس چیز کی حقیقت اور اصلیت اسطرح کھل جائے جیسے سورج یا چاند کا وجود تو اس حالت کا ایمان قطعاً قابلِ عزت نہیں ہو سکتا۔ بھلا کبھی آپ نے سنا کہ چودھویں کے چاند، نصف النہار کے سورج کو دیکھنے والی نظر بھی کوئی قابلِ عزت یا کسی ثواب پانے کی مستحق ہُوا کرتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس یہی سنت روحانیات کے معاملہ میں کار فرما ہے۔ لہٰذا آپ لوگ اپنی غور و پرداخت کے وقت اس اصول کو بھی مدِّنظر رکھیں۔ اور

حتّٰی نریٰ اللہ جھرۃً

کہکر صداقتوں سے محروم رہنے والی قوموں سے عبرت پکڑیں۔

بھائیو! مجھے آپ کی ہمدردی اور محبت مجبور کرتی ہے۔ کہ بار بار وہی شبد الاپتا جاؤں۔ اور وہی گیت گاتا رہوں۔ کہ خبردار ہوشیار ہو کر قدم رکھنا ایسا نہ ہو کہ شیطان کے دھوکے میں آجاؤ ہمیشہ اس اصل کو مدِّنظر رکھنا۔ کہ

"براہمن اوتار سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں"

بلکہ اس کے چرنوں میں آکر اس کے سیوکوں میں داخل ہوکر ہی سُکھ اور پھل پاؤ گے کیونکہ بے لوث ہمدردی اور بے مزد خدمت کرنے والے سچے خیرخواہ دل کی پوری قدر نہ کرنا کبھی اچھا نہیں ؎

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اُسپہ قرباں ہے

(آپ کا داس عبدالرحمٰن قادیانی)

مکتوباتِ احمدیہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیّبہ پر ان مکتوبات سے بڑی روشنی پڑتی ہے۔ جو حضورؑ نے خود یا کسی کے عریضہ کے جواب میں لکھے۔ حضرت بھائی صاحب کے پاس ایسے مکتوبات کا ایک ذخیرہ تھا۔ مگر افسوس کہ دو سال ہوئے اُن کے ہاں ایک چوری ہوئی یا چوری کرائی گئی۔ جسمیں یہ قیمتی متاع بھی ضائع ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چند مکتوبات جو باقی رہ گئے۔ بھائی جی نے ازراہ محبت وہ شائع کرنے کیلیئے مجھے مرحمت فرمائے۔ جو میں شکریہ سے شائع کر رہا ہوں۔" محمود احمد عرفانی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

وعلےٰ عبدہ المسیح الموعود

مخترم ایڈیٹر صاحب "الحکم"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ چند تبرکات میرے پاس باقی رہ گئے ہیں۔ ازراہ کرم اپنے مؤقر اخبار میں کچھ جگہ دیکر ان کو اگر محفوظ کر دیں۔ تو سلسلہ کی ایک امانت کی حفاظت کے ثواب کے علاوہ میرے شکریہ کے بھی مستحق ہونگے۔

عبدالرحمٰن قادیانی ۲۶-۵-۳۸

(۱)

ایک زمانہ میں مجھے مؤقر اخبار "الحکم" کی اسسٹنٹ ایڈیٹری کی سعادت میسر تھی جس کے سلسلہ میں اکثر اوقات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بابرکت میں خود حاضر ہو کر یا بذریعہ تحریر حضور پُرنورؑ کے تازہ الہامات کشوف اور رؤیا، دریافت اور صحیح کراتے رہنے کی ذیل میں اس قسم کی بیسیوں تحریریں حضور والاشان کے دست مبارک کی رقم فرمودہ میرے پاس تھیں۔ جن کو میں نے تبرکاً محفوظ رکھا ہُوا تھا۔ بدقسمتی سے بعض ناگوار حادثات میں ایسی تمام تحریرات نیز بعض اور حضورؑ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے کاغذات محفوظ نہ رہ سکے۔ اور ان کے ضائع ہو جانے کے باعث میں اُن تبرکات سے محروم رہ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون صرف چند ایسے تبرکات میری خوش نصیبی سے کسی مصلحت الٰہی کے ماتحت بچ رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

آقائی ومولائی ایدکم اللہ تعالےٰ

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور آپ کا ایک الہام جس کا مضمون یہ ہے۔ آدمیوں کا بادشاہ آیا۔ اس کے اصل الفاظ کیا ہیں؟ فقط

عبدالرحمٰن قادیانی

۵ مارچ ۱۹۰۸ء

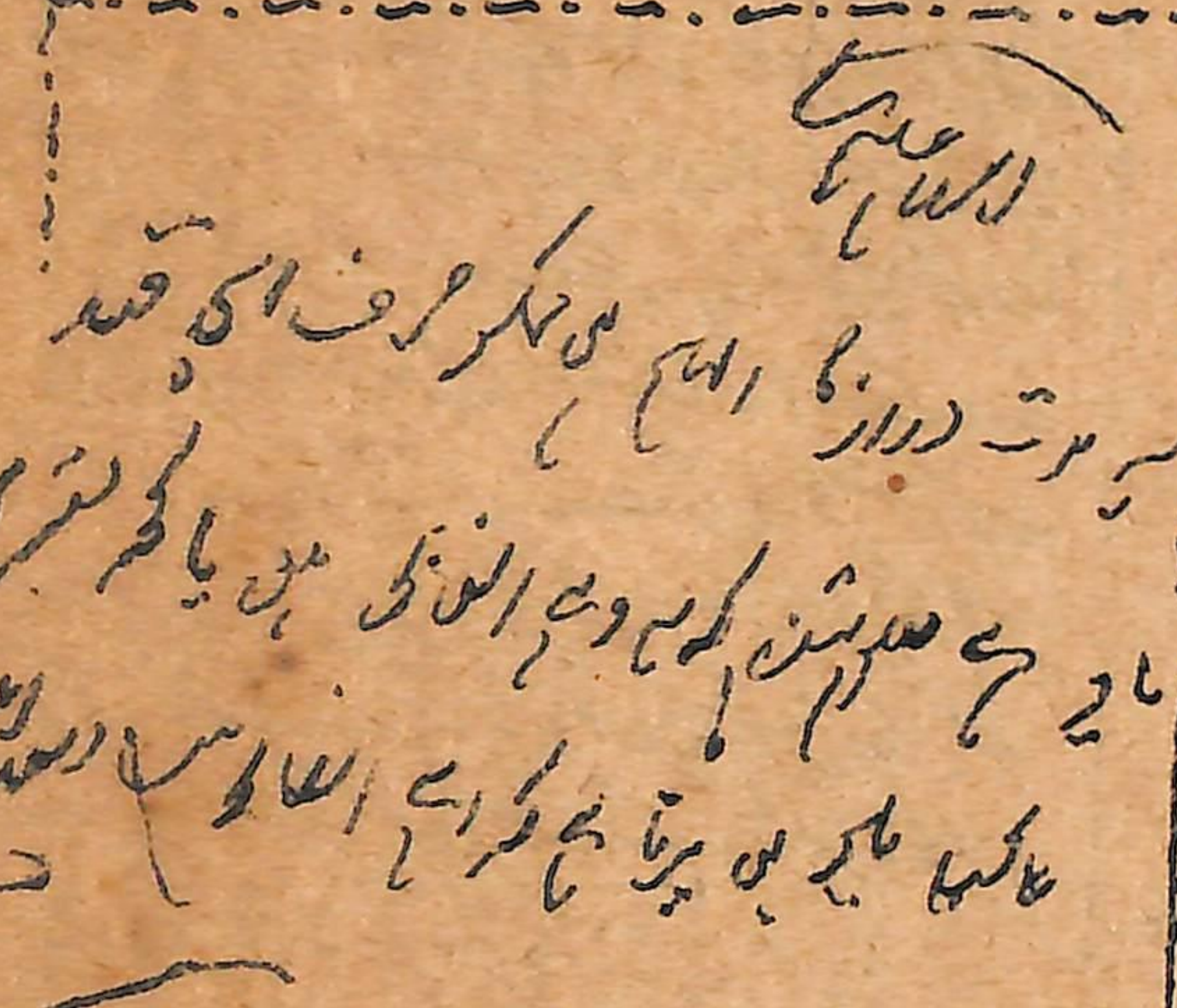

السلام علیکم

یہ مدت دراز کا الہام ہے مجھ کو صرف اسی قدر یاد ہے معلوم نہیں کہ یہ وہی الفاظ ہیں یا کچھ تغیر ہے غالباً یاد پڑتا ہے کہ یہی الفاظ ہیں واللہ اعلم

حضرت مسیح موعود کا

السلام علیکم

یہ مدت دراز کا الہام ہے۔ مجھ کو صرف اسی قدر یاد ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ وہی الفاظ ہیں۔ یا کچھ تغیر ہیں۔ غالباً یاد یہی پڑتا ہے۔ کہ یہی الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم

خاکسار غلام احمد

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

آقائی ومولائی ایدکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور ۱۸؍ اپریل ۱۹۰۸ء کا الہام جو حضور نے ۱۹ کو قبل ظہر بیان فرمایا تھا۔ بغرض صحت پیش خدمت کرکے ملتجی ہوں کہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ نیز اس کے متعلق اگر کوئی تفہیم ہو۔ یا اس کے بعد کا کوئی اور الہام قابلِ اشاعت ہو۔ تو عطا فرمایا جاوے۔

۱۸؍ اپریل:

زَلْزَلَةُ الْاَرْضِ

حَقَّ الْعَذَابُ وَقَضٰی

ترجمہ:۔ زمین کا ہلنا۔ عذاب سچ ہے اور وہ اُتر پڑا

خاکسار غلام در
عبدالرحمٰن قادیانی احمدی

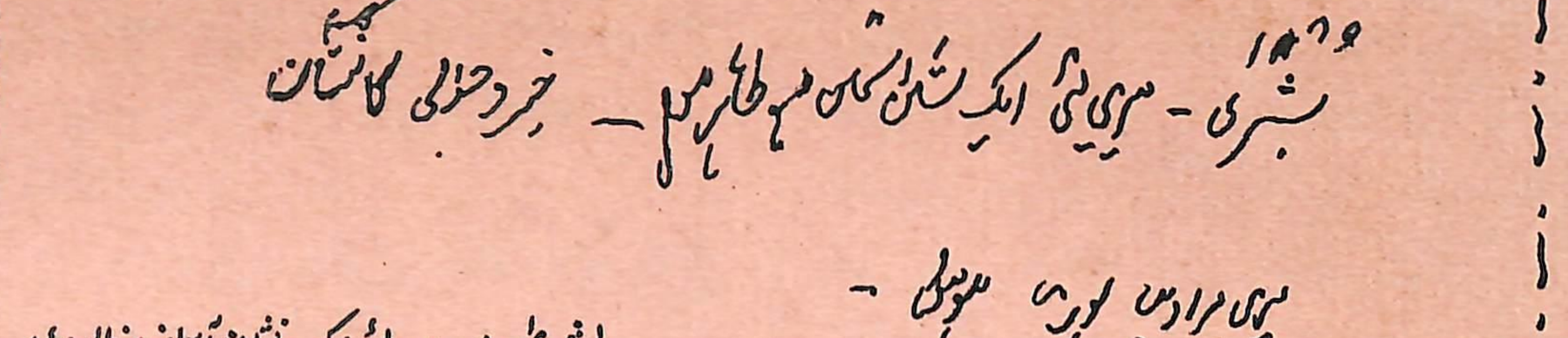

بشریٰ۔ میرے لئے ایک نشان آسمان پر ظاہر ہوا
خیر و خوبی کا نشان۔ میری مرادیں پوری ہوئیں۔

(۳)

ایک زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ روحی نے مجھ غلام کو اپنے ایک عزیز مکرم مرزا محمد احسن بیگ صاحب رئیس کی درخواست پر اُن کے زمینداری کاروبار کی خدمات کے لئے راجپوتانہ جانے کا حکم دیا۔ جہاں کثرت جنگلات کے باعث وحوش اور درندوں کی بہتات تھی۔ اس زمانہ میں درندوں اور وحوش سے پالا پڑتا رہتا تھا جس میں پانچ سات چیتے اور ایک شیر نر کے شکار کے علاوہ بے شمار چیتل۔ سانبر۔ نیل گائے اور ہرن وغیرہ کا شکار کیا۔ اور یہ دو کھالیں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور پیش کرنے کو ساتھ لایا تھا۔ پہلے چیتل کی کھال پیش کی۔ اور جب اسکو شرف قبولیت مل گیا۔ تو چیتے کی کھال بھی پیش کردی۔

نوٹ ع۱۔ یاد رہے۔ کہ چیتل بارہ سنگا کی قسم کا ایک نہایت ہی خوبصورت جنگلی جانور ہوتا ہے۔ اور حلال جانوروں میں شمار ہوتا ہے۔

ع۲۔ یہ زمانہ جس کا میں نے ذکر کیا دسمبر ۱۹۰۳ء سے دسمبر ۱۹۰۷ء کا ہے۔ اور اس عرصہ میں مجھے صرف تین یا چار مرتبہ قادیان آنیکا موقعہ میسر آیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

آقائی و مولائی ایدکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضور یہ ایک چیتے کی کھال ہے۔ قبول فرمائی جاوے اور اس خاکسار غلام کے حق میں دعا فرمائی جاوے کہ اللہ تعالےٰ خادم دین بنا دے۔ اعمال صالحات کی توفیق عطا ہو۔ اور ایسی پاک زندگی میسر آجاوے جو خدا کی رضامندی کا باعث ہو۔ اور خاتمہ بالخیر ہو۔

حضور اب لاہور جانے والے ہیں۔ ہماری بہت سی کمزوریاں حضور کے سایہ کی وجہ سے نظر انداز کی جاتی تھیں۔ اب حضور کے وجود مبارک کا سایہ جو کہ خدا کی طرف سے اس کے فضل اور رحمت کا سایہ بن کر ہماری سپر بنا ہوا تھا۔ حکمت الٰہی کی وجہ سے لاہور جاتا ہے۔ لہٰذا اب ہم لوگ حضور کی خاص دعا اور توجہ کے ازبس محتاج ہیں۔ لہٰذا نہایت عاجزی سے بصد ادب التماس ہے۔ کہ خاص خاص اوقات اس خاکسار اور حضور کی خادمہ اور بچے اور اور اقربا کے واسطے ضرور دعا کی جایا کرے۔ فقط

حضور کا خادم در
عبدالرحمٰن قادیانی احمدی بقلم خود۔ ۲۱؍اپریل ۱۹۰۷ء

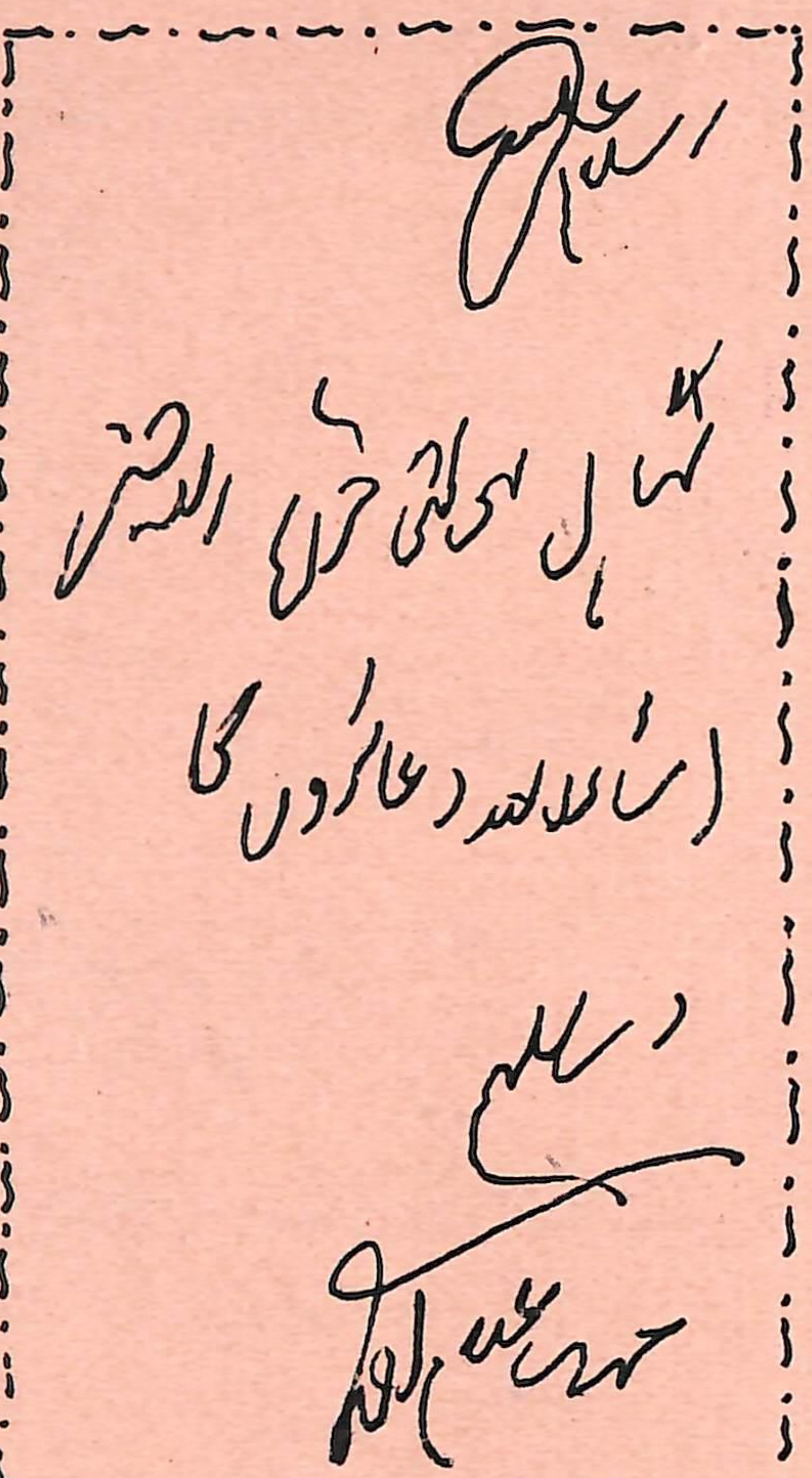

السلام علیکم
کھال پہنچ گئی۔ جزاکم اللہ خیرًا
انشاء اللہ دعا کروں گا۔ والسلام
مرزا غلام احمد

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

میرے آقا اور میرے مولا خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

السلام و علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضور ایک کھال چیتل کی پیش خدمت کر کے ملتجی ہوں کہ قبول فرمائی جاوے۔ اور اس خاکسار کے حق میں دعا فرمائی جاوے۔ کہ اللہ تعالےٰ قوتِ ایمانی اور توفیق اعمال صالحات عطا فرماوے۔ حضور میں بہت ہی کمزور اور قابل رحم ہوں۔ للہ میرے واسطے خاص طور سے دعا فرمائی جایا کرے۔ حضور ایسا ہو کہ میری زندگی دین کی خدمت میں حضور کی منشا اور رضائے الٰہی کے عین مطابق ہو جاوے۔

حضور میری یہ بھی خواہش ہے۔ کہ یہ کھال حضور کی نشستگاہ میں ایسی جگہ رہے۔ جہاں ہمیشہ میرے واسطے حضور کی خدمت میں دعاؤں کے واسطے عرض کرتی رہے آمین فقط

خاکسار غلام در
عبدالرحمٰن قادیانی احمدی ۵؍اپریل ۱۹۰۸ء

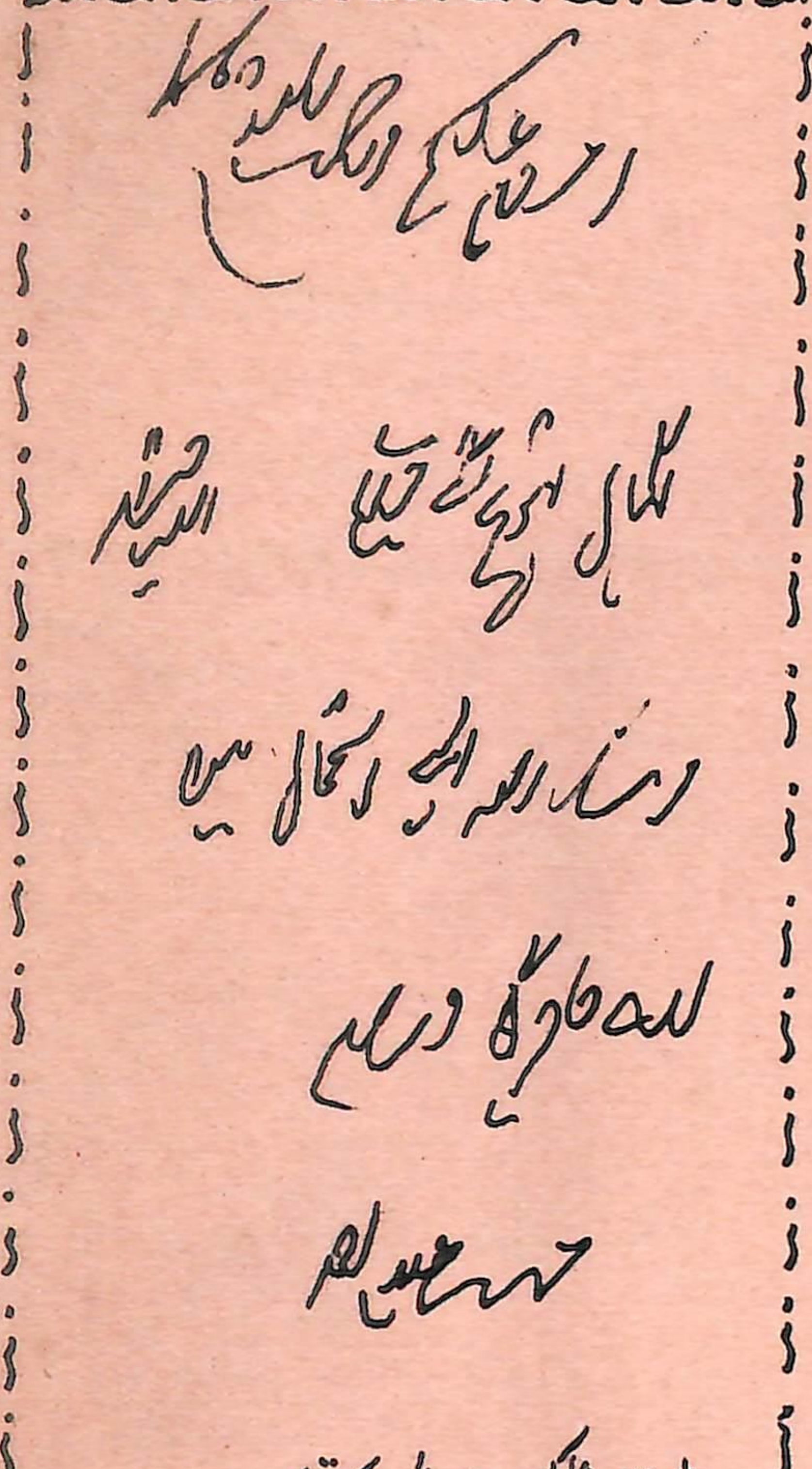

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ
کھال پہنچ گئی۔ جزاکم اللہ خیرًا۔ انشاء اللہ اپنے استعمال میں لائی جاوے گی۔ والسلام
مرزا غلام احمد

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

آقائی و مولائی ایدکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضور مبلغ عصہ روپیہ پیش خدمت کر کے ملتجی ہوں۔ کہ للہ قبول فرمایا جاوے۔ اور خاکسار غلام کے حق میں دعا کی جاوے کہ اللہ تعالےٰ خدمت دین کی توفیق عطا فرماوے۔ اور قوت ایمانی اور اعمال صالحات کی توفیق ملے۔ اور خاتمہ بالخیر ہو۔ آمین۔

حضور کی خادمہ اور ایک بچہ عبدالقادر بھی دعا کے ملتجی ہیں۔ ان کے حق میں بھی سعادت دارین اور انجام بخیر کی دعا فرمائی جاوے۔ حضور میں بہت کمزور حالت میں ہوں۔ مجھے خاص خاص دعاؤں میں یاد فرمایا جاوے۔ والسلام

خاکسار
عبدالرحمٰن قادیانی احمدی
۳؍اپریل ۱۹۰۸ء

(بقیہ مضمون اور حضرت صاحب کا جواب صفحہ ۲ پر دیکھیں)

(بقیہ صفحہ نمبر ۲)

اس جواب کے اندر کیا کیا حقائق بھرے ہیں۔ اور کیسے کیسے اخلاق کریمانہ اور الطاف شاہانہ اس تحریر سے مترشح ہوتے ہیں۔ یہ تو ایک لمبا بیان ہے۔ البتہ جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کو خدائی الہام کے ماتحت آنے والی ساعت کا علم اور یقین ہو چکا تھا۔ مجھ غلام کو حضور اقدس علیہ السلام نے سراسر رحم اور کرم سے اس آخری وقت کی قدمبوسی کی سعادت سے محروم ہونے سے بچا لیا۔ ورنہ ممکن تھا۔ کہ قادیان آکر کوئی ایسی روک پیدا ہو جاتی۔ کہ پھر میں ہمیشہ کے لئے اس محرومی کے باعث کفِ تاسف ملتا رہتا۔ کیونکہ پھر جلد ہی جیسا کہ احباب سے مخفی نہیں۔ حضور کے وصال کا وقت آن پہنچا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

آقائی و مولائی فداک روحی ایدکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضور قادیان سے حضور کی خادمہ کا آج ہی خط آیا ہے کہ رات کے وقت ہمیں تنہائی کی وجہ سے خوف آتا ہے۔ کیونکہ جس مکان میں مَیں رہتا ہوں۔ وہ بالکل باہر ہے۔ الہٰذا اگر حکم ہو اور حضور اجازت دیں۔ تو میں جا کر اُن کو کسی دوسرے مکان میں تبدیل کرا آؤں۔ یا اگر حضور کے دولت سرائے میں کوئی کوٹھری خالی ہو تو وہاں چھوڑ آؤں۔ جیسا حکم ہو تعمیل کی جاوے۔

حضور کی دعاؤں کا محتاج خادم در

عبدالرحمٰن قادیانی احمدی ۱۴؍ مئی ۱۹۰۸ء

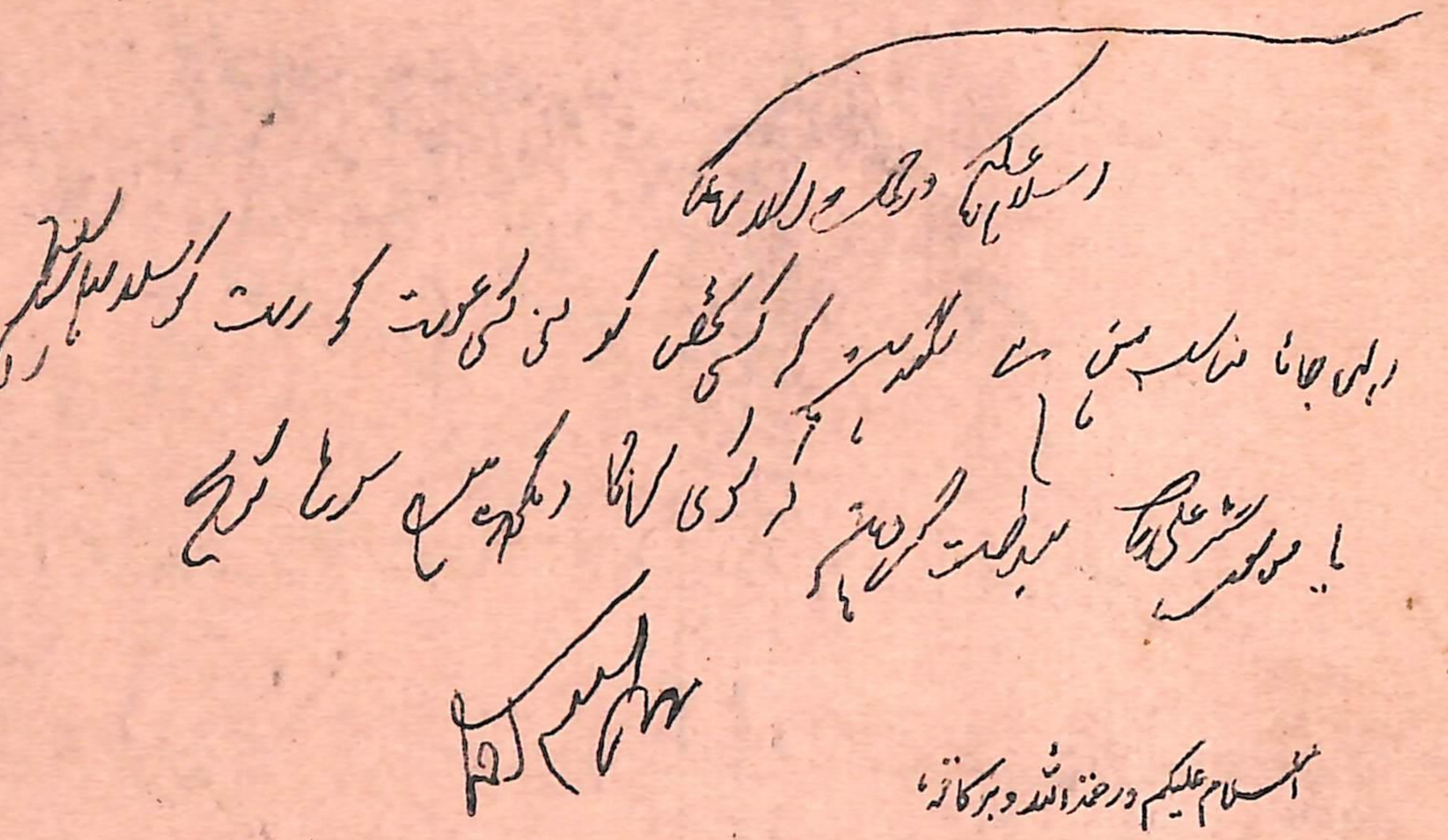

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی جانا مناسب نہیں ہے لکھ دیں کہ کسی شخص کو یعنی کسی عورت کو رات کو سلا لیا کریں

یا مولوی شیر علی صاحب بندوبست کر دیں کہ کوئی لڑکا ان کے گھر میں سویا کرے

مرزا غلام احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابھی جانا مناسب نہیں ہے۔ لکھ دیں۔ کہ کسی شخص کو یعنی کسی عورت کو رات کو سلا لیا کریں۔

یا مولوی شیر علی صاحب بندوبست کر دیں۔ کہ کوئی لڑکا اُن کے پاس سویا کرے۔

مرزا غلام احمد

وصایا

نمبر ۴۸۶۳

منکہ صغریٰ بیگم زوجہ مولوی محمد نذیر صاحب قریشی مبلغ قوم قریشی عمر ۲۵ سال تاریخ بیعت اکتوبر ۱۹۳۲ء ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ 7 9/37 حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

میری وفات کے وقت جسقدر میری جائیداد ہو۔ اس کے ۱/۶ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ میری موجود جائیداد حسب ذیل ہے۔

مہر مبلغ دو صد روپیہ بذمہ خاوند۔ زیور طلائی چوڑیاں قیمتی یک صد روپیہ۔ کل جائیداد تین صد روپیہ۔

الامۃ۔ صغریٰ بیگم بقلم خود۔

گواہ شد:۔ حکیم محمد فیروز الدین انسپکٹر بیت المال۔

گواہ شد:۔ محمد نذیر قریشی مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ

نمبر ۵۰۶۷

منکہ محمد ولد مولوی زباد الرحیم صاحب مرحوم قوم مسلمان پیشہ گورنمنٹ ملازمت عمر ۳۷ سال تین ماہ تاریخ بیعت 24 8/34 ساکن کرلینڈ اڈاگنج خاص ضلع بنکورا صوبہ بنگال بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ 3 4/38 حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

میری کل جائیداد جس کی قیمت اندازاً -/700 روپیہ ہے۔ لیکن میرا گذارہ اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے۔ جو کہ اس وقت -/124 روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہوگی۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں۔ تو اسی قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔

العبد:۔ محمد

گواہ شد:۔ رحیم بخش

گواہ شد:۔ ابوالقاسم خاں

بھائی عبدالرحمٰن صاحب کا اعتذار

محترم ایڈیٹر صاحب الحکم حضرت عرفانی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ نے جس حسن ظنی سے اور جوش محبت سے کام لیتے ہوئے اور جس نیت اور اخلاص کے مدنظر میرے کچھ حالات اپنے موقر اخبار میں شائع فرمائے ہیں میں بھی آپ کے ان خدمات کی دل سے قدر کرتا اور آپکے حق کو تسلیم کرتے ہوئے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ اللہ کریم آپکی اس نیت کو قبول فرما کر آپکے اس عمل کو آپکے اور میرے واسطے بھی سعادت دارین کا باعث بنائیں۔ آمین

جیسا کہ آپ کو علم ہے۔ یہ حالات میرے پرائیویٹ خطوط کا مجموعہ ہیں۔ جو میں نے کئی سال کے عرصہ میں وقتاً فوقتاً عزیز مکرم مرزا برکت علی صاحب آف عبادان کے اصرار پر اُن کو لکھ کر بھیجے تھے۔ اور اُن کے متعلق میری اُن سے خواہش تھی۔ کہ کم از کم میری زندگی میں ان کو شائع نہ کریں۔ مگر کسی باریک در باریک مصلحت الہٰی کے ماتحت یہ کاغذات آپکے قبضہ میں آگئے۔ اور آپ نے ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ انسانی علم کمزور اور بالکل محدود ہے۔ خدا کی حکمتوں تک رسائی انسانی عقل اور اس کی طاقت و مقدرت سے بہت بالا ہے وہ یہ بھی نہیں جان سکتا کہ کب اور کس وقت کسی کام کا ہونا موجب رحمت اور باعثِ برکت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی مشیت اور مرضی کے سامنے جھک جانا۔ اور اسی کی رضاء کو ہر چیز پر مقدم کرنا سعادت دارین کا باعث یقین کرتے ہوئے آپ کے راستہ میں روک ڈالنا میں نے پسند نہ کیا۔ اور آپ سے صرف یہ خواہش کی تھی۔ کہ کم از کم نظر ثانی کا موقعہ مجھے دیا جائے مگر آپ نے پسند نہ کیا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ

جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں خوبی کی بجائے تم خرابی کے سوا کیا اضافہ و ایزادی کرو گے؟

نظر ثانی کی بھی آپ نے اجازت نہ دی۔ میں تصدیق کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں۔ کہ آپ کی رائے واقعی درست وزنی اور صحیح تھی۔ کیونکہ پہلے جو کچھ لکھا گیا تھا نہ معلوم کن جذبات اور تاثرات کے ماتحت کس وفور اور جوش کی بنا پر تھا اور بالکل ممکن تھا کہ وہ حالات نظر ثانی کرتے وقت مجھے نظر نہ آتے۔ مگر

[۴۵]

---

[۴۵] ایک کوتاہی جو پہلے بھی میرے ذہن میں تھی۔ اور اب اُسے زیادہ شدت سے میں محسوس کرنے لگا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ان خطوط میں بعض ان میرے مخلص اور دلی دوستوں کا ذکر بالکل ہی مجمل بلکہ برائے نام آیا تھا۔ الا لنگہ وہ لوگ دراصل میرے اولین صدیقوں اور خالص محبتوں میں سے تھے۔ اور اُن کے متعلق میرے دلی جذبات اور قلبی تاثرات بہت نمایاں اور گہرے تھے۔ اور ان کے اور میرے تعلقات پورے صدق وصفا اور اتحاد و وفا پر مبنی تھے۔ مثلاً قاضی یحییٰ آف چونیاں کے میرے یار محب صادق قاضی فضل الحق صاحب اور اُن کے چھوٹے بھائی قاضی انوار الحق صاحب۔ سادات فیلی کے بزرگوں میں سے محترم سید زین العابدین صاحب اور ان کے بھائی سید جعفر علیشاہ صاحب جو محترم سید بہادر علی شاہ صاحب کی اولاد تھے۔ نیز پیر جہانیاں والے سادات کے احباب سید امداد علیشاہ صاحب اور سید جعفر علی شاہ صاحبان۔ ان سب دوستوں سے مجھے دینی مفاد حاصل ہوئے۔ اور ان کی محبت اور صحبتوں کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ اور اُن میں سے ہر ایک دلی شکریہ اور سچی محبت و وفا کا مستحق ہے۔ اور اُن کے سوا بعض اور لوگ بھی اسی ذیل میں آسکتے ہیں جن کا ذکر خیر میں اُن خطوط میں نہ کر سکا تھا۔ بہر حال یہ ایک کوتاہی ہے۔ کہ جس کو میرا ضمیر اظہار تشکر و امتنان کے جذبات کے خلاف محسوس کرتے ہوئے ندامت و شرمندگی محسوس کرتا ہے۔ اور اب تو وقت گذر گیا ہے۔ خدا نے توفیق دی۔ تو کبھی موقعہ اور محل کے مناسب حال ایسے احباب کے تذکرے بھی خالی از فائدہ نہ ہونگے۔ بالآخر میری آپ کے اخبار کے ذریعہ اُن احباب سے ⁂

⁂ خواہش ہے۔ جو میرے ان حالات پر مطلع ہو چکے ہوں۔ کہ میرے واسطے اور میری اولاد کی سعادت دارین اور خاتمہ بالخیر کے لیے خاص طور سے دعائیں فرما کر مجھے مشکور فرما دیں۔ اور خود عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط "عبدالرحمٰن قادیانی"